ماہنامہ

انذار

Inzaar

مدیر: ابویحییٰ

اگست ۲۰۱۹

www.inzaar.pk

August 2019

مجاہدے کی سب سے مشکل قسم
لوگوں کی ایذا پر صبر کرنا ہے

Please visit our websites to read the articles and books of Abu Yahya online for free.

www.inzaar.org

www.inzaar.pk (Urdu Website)

Join us on twitter @AbuYahya_inzaar

Join us on Facebook

Abu Yahya's Official Page: facebook.com/abuyahya.inzaar

Inzaar Official Page: facebook.com/inzaartheorg

Join us on YouTube youtube.com/inzaar-global

WhatsApp Broadcast list: Please contact +92-334-1211120 from WhatsApp (Daily Msg Service-Broadcast Lists – No Groups)

To get books and Inzaar's monthly magazines at home anywhere in Pakistan, contact 0332-3051201 or 0345-8206011

To participate in online courses, visit ww.inzaar.org/online-courses/

To get any other information, email to **info@inzaar.org** and info@inzaar.pk

Our material in audio form is available on USB/CD

ابو یحییٰ کی نئی کتاب

بندگی کے سو رنگ

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

''میں نے جن وانس کو اپنی بندگی ہی کے لیے پیدا کیا ہے۔''، (الذاریات 56:51)

بندگی کی یہ دعوت اپنے اندر اتنے ہی رنگ لیے ہوئے ہے جتنے خود زندگی کے مختلف رنگ، پہلو اور گوشے ہیں۔ پیش نظر کتاب میں زندگی کے ان رنگوں کو بندگی کی نگاہ سے دیکھا گیا ہے۔ اسی لیے اس مجموعہ مضامین کا نام ''بندگی کے سو رنگ'' رکھا گیا ہے۔

کتاب کا ہر مضمون وہ زاویہ نظر دیتا ہے جو ایک بندہ مومن سے اس کے مالک کو مطلوب ہے۔ چاہے اس کا تعلق زندگی کے فکری پہلو سے ہو یا عملی پہلو سے۔ بندگی کی سوچ مومن کی فکر و عمل کے ہر رنگ کا احاطہ کرتی ہے۔ یہ بندے کو آمادہ کرتی ہے کہ وہ زندگی کے ہر رنگ کو مالک کے بنائے ہوئے کینوس (canvas) کے پس منظر میں دیکھے۔

اس طالب علم کو یقین ہے کہ اس کتاب کے مطالعے کے بعد آپ کی زندگی بندگی کے رنگوں میں انشاءاللہ رنگ جائے گی۔ یہی اس کتاب کا مقصد تصنیف ہے۔

ابو یحییٰ

قیمت 350 روپے

رسالے کے قارئین رعایت کے ساتھ گھر بیٹھے حاصل کرنے کے لیے رابطہ کریں:

رابطہ: 0332-3051201, 0345-8206011

ای میل: globalinzaar@gmail.com

web: www.inzaar.pk

ماہنامہ

اِنذار

اگست 2019ء ذوالقعدہ/ذوالحجہ 1440ھ

جلد 7 شمارہ 8

مدیر:
ابو یحییٰ ریحان احمد یوسفی

سرکولیشن مینیجر:
غازی عالمگیر

معاون مدیر:
عابد علی، بنت فاطمہ، سحر شاہ، عظمیٰ عنبرین

معاونین:
محمد شفیق، محمود مرزا

فی شمارہ ــــ 25 روپے
سالانہ: کراچی (بذریعہ کوریئر) 500 روپے
بیرون کراچی (نارمل پوسٹ) 400 روپے
(زرتعاون بذریعہ منی آرڈر یا ڈرافٹ)
بیرون ملک 2500 روپے
(زرتعاون بذریعہ پوسٹل بیئرر آرڈر یا ڈرافٹ)
نارتھ امریکہ: فی شمارہ 2 ڈالر
سالانہ 24 ڈالر

ابو یحییٰ کے قلم سے

P.O Box-7285, Karachi.
فون: 0332-3051201, 0345-8206011
ای میل: globalinzaar@gmail.com
web: www.inzaar.pk

شیطان کے خلاف جنگ

دور جدید کے بڑے مذہبی المیوں میں سے ایک یہ ہے کہ عبادات کے ظاہری ڈھانچے رہ گئے مگر ان کی روح غائب ہوگئی ہے۔ چنانچہ ہم میں سے وہ لوگ جو عبادات کا اہتمام بھی کرتے ہیں، یہ عبادات ان کی زندگی میں تبدیلی نہیں لاتیں۔ دیگر عبادات کی طرح حج اور عمرہ جیسی عظیم عبادات کا بھی یہی حال ہے جن کی ادائیگی کے لیے مسلمان لاکھوں روپے خرچ کر کے اور گھر بار چھوڑ کر جاتے ہیں۔

حج شیطان کے خلاف جنگ کا علامتی اظہار ہے۔ یہ وہ جنگ ہے جو شیطان نے انسان کے خلاف روز ازل چھیڑی تھی جب اس نے خدا سے مہلت مانگی تھی کہ وہ انسانوں کو گمراہ کر سکے۔ شیطان کے اس عزم کے خلاف اللہ تعالیٰ نے ہر دور میں انبیا کو بھیجا جو انسانوں کو شیطان کی ترغیبات سے بچنے کی ترغیب دیتے رہے۔ حج میں حجاج لبیک کہہ کر خدا سے وفاداری اور رمی میں شیطان پر سنگ باری کر کے انبیا کے اس مشن کو اپنا ذاتی مشن بنا لیتے ہیں۔

حج کی یہ اسپرٹ اگر واضح ہے تو یہ بھی جان لینا چاہیے کہ شیطان کے خلاف اس جنگ کا فیصلہ کن میدان ہماری اپنی شخصیت ہے اور اپنے اندر کے شیطان کو شکست دینا ہماری زندگی کا سب سے بڑا مقصد ہے۔ بدقسمتی سے اکثر لوگ جو نیکی کی راہ پر بھی چلتے ہیں وہ اپنے شیطان کو بھولے رہتے ہیں۔ یہ شیطان، انانیت، تعصب، خواہش اور غفلت کے راستے ہمیں راہ حق سے ہٹا دیتا ہے۔ اس کے بعد بظاہر ہم نیک اور اچھے بنے ہوتے ہیں، مگر دراصل ہم شیطان کے ایک ایجنٹ بن کر معاشرے میں زندگی گزارتے ہیں۔

ہر مومن کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے اندر کے شیطان سے اپنی جنگ جیتے۔ تعصب، انا، خواہش اور غفلت کا ہر شائبہ کھرچ کر پھینک دے۔ اس کے بنا نجات ممکن نہیں۔

ایک اعلیٰ انسانی قدر

ترمذی اورابی داؤد کی ایک روایت کا مفہوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ جو شخص ہمارے بچوں پر شفقت نہیں کرتا اور بزرگوں کی تکریم نہیں کرتا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ایک اعلیٰ انسانی رویے کی طرف ہماری رہنمائی کرتا ہے۔ ہمارے معاشرے میں عام طور پر اس کا لحاظ کیا جاتا رہا ہے۔ دوران سفر یا کسی جگہ انتظار کرتے ہوئے یہ ہماری روایت رہی ہے کہ کوئی بزرگ آجائے تو نوجوان اس کے لیے اپنی نشست چھوڑ دیتے ہیں۔ بدقسمتی سے جدید طرز زندگی کی نفسانفسی اور بے حسی میں اب یہ روایت ختم ہوتی جارہی ہے۔

دوسری طرف مغرب نے اس قدر کو اجتماعی زندگی کا ایک حصہ بنادیا ہے۔ ان کے ہاں ساٹھ سال سے اوپر کے بزرگوں کے لیے ہر جگہ خصوصی رعایت اور خصوصی اہتمام سرکاری اور معاشرتی طور پر کیا جاتا ہے۔ ان کے لیے نشستیں مخصوص ہوتی ہیں۔ مختلف جگہوں پر انھیں فیسوں میں رعایت دی جاتی ہے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنے گھر، معاشرے اور ہر سطح پر اس اہم انسانی اور اسلامی قدر کے فروغ کا کام کریں۔ بچوں کو بچپن ہی سے یہ بتایا جائے کہ زبان، عمل اور رویے، ہر پہلو سے بزرگوں کا احترام کرنا ضروری ہے۔ معاشرے میں اس چیز کو معیوب بنادینا چاہیے کہ کوئی شخص خود کہیں بیٹھا ہو اور بزرگ کھڑے ہوئے ہوں۔ حکومتی سطح پر ایسے اقدامات اٹھائے جائیں جن سے بزرگوں کو ہر جگہ سہولت ملے۔

اخلاقی زوال کے اس دور میں بزرگوں کے احترام کی اس روایت کو مرنے سے بچانا ہوگا۔ ورنہ ہمارا معاشرہ جانوروں کے گلّے میں تبدیل ہوجائے گا جہاں بزرگوں کا احترام نہیں ہوتا۔

سیاسی انتہا پسندی کا بھوت

ہمارے سماجی وجود کو لگے وہ گھاؤ بھی ابھی مندمل نہیں ہوئے جو مذہبی انتہا پسندی کے لگائے ہوئے ہیں کہ ہم سیاسی انتہا پسندی کے جال میں پھنستے چلے جا رہے ہیں۔ خودکش حملے، بم دھماکے، فرقہ وارانہ ٹارگٹ کلنگ اور عبادت گاہوں پر حملوں میں ہم نے ہزاروں قیمتی جانیں گنوائیں۔ ابھی بھی وقفے وقفے سے کوئی نہ کوئی شخص مذہبی بنیادوں پر مارا جاتا ہے۔

مگر اس کا کیا کیجیے کہ ہم ایک آگ سے پوری طرح نہیں نکلے ہیں کہ دوسرے گڑھے میں گرنے کے لیے تیار ہو چکے ہیں۔ مگر یہ جان لینا چاہیے کہ سیاسی انتہا پسندی کے ہاتھوں آئی تباہی مذہبی انتہا پسندی سے کہیں زیادہ شدید ہوگی۔

سیاسی انتہا پسندی کیا ہے؟ اپنے لیڈر سے دیوانہ وار عشق، مخالف لیڈروں سے شدید نفرت، اپنے سیاسی تعصّبات میں اندھا ہو کر ان حقائق کو دیکھنے سے بھی انکار کر دینا جو اندھوں کو بھی نظر آ رہے ہوں، ہر معقول بات کو سنی ان سنی کر دینا، ہر اخلاقی قدر کو پامال کر کے پروپیگنڈا کرنا، دوسروں کی پرخلوص اور معقول بات سنے اور سمجھے بغیر یک طرفہ طور پر اپنی بات کہتے چلے جانا۔

سیاسی انتہا پسندی دل پسند نعروں سے شروع ہو کر یا تو کمیونزم جیسے قاتل انقلاب میں ڈھلتی ہے یا پھر نازی فاشزم کے جبر کی شکل اختیار کرتی ہے۔ ایسے میں قدرت پہلے مرحلے پر وارننگ کے طور پر معاشی عذاب کو مسلط کرتی ہے۔ اگر قوم کا نصیب اچھا ہوتا ہے تو معاشی عذاب کی ماری قوم توبہ کر کے سیاسی انتہا پسندی کے راستے پر مزید بڑھنے سے رک جاتی ہے۔

لیکن قوم اگر اس معاشی عذاب سے سبق نہ سیکھے اور اسی انتہا پسندی کے راستے پر قدم بڑھاتی رہے تو آخرکار دوسری اقوام سے ٹکراؤ شروع ہو جاتا ہے جو آخرکار مکمل تباہی پر ختم ہوتا ہے۔ اب یہ اللہ بہتر جانتا ہے کہ ان دو مراحل میں سے کس کے بعد سیاسی انتہا پسندی کا یہ بھوت ہم پر سے اترے گا۔

علم کی دنیا، عقیدت کی دنیا

نظام شمسی زمانہ قدیم سے انسانوں کی فکر و تحقیق کا مرکز رہا ہے۔ سب سے پہلے ٹالمی نے نظام شمسی کا وہ جیوسنٹرک (Geocentric) ماڈل بنایا جس میں زمین کو مرکز کی حیثیت حاصل تھی اور جس کے مطابق سورج، چانداور سیارے زمین کے گرد گھومتے تھے۔ چودہویں صدی میں کوپرنکلس نے صدیوں کے اس طلسم کو توڑا اور یہ بتایا کہ ہمارا نظام شمسی ہیلیو سنٹرک (Heliocentric) ہے۔ یعنی تمام سیارے سورج کے گرد گھومتے ہیں۔

اکیسویں صدی میں نظام شمسی پر ایک بڑا کام ہوا ہے۔ اس کام کے نتیجے میں پلوٹو کو سیاروں کی فہرست سے خارج کر دیا گیا ہے۔ یہ نظام شمسی میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں تھی بلکہ اس زاویہ نظر کی تبدیلی تھی جس کے مطابق نظام شمسی کو دیکھا جاتا تھا۔ پہلے سورج کے گرد چکر لگاتے تمام اجرام فلکی کو سیاروں کا عنوان دے کر بیان کیا جاتا تھا۔ مگر جدید تحقیق نے ماہرین فلکیات کو نظام شمسی کو دیکھنے کا ایک نیا زاویہ عطا کیا۔

اس زاویے کے تحت نظام شمسی کے گرد گھومنے والے اجرام فلکی کو چار حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ سب سے پہلے عطارد، زہرہ، زمین اور مریخ ہیں۔ یہ مٹی اور چٹانوں سے بنے چھوٹے سیارے ہیں۔ اس کے بعد چھوٹے چھوٹے اجرام فلکی کا ایک سلسلہ (Asteroid belt) ہے۔ اس کے بعد پھر تیسرے نمبر پر مشتری، زحل، یورینس اور نیپچون جیسے سیارے ہیں جو جسامت میں بہت بڑے ہیں۔ جبکہ ان سے باہر بہت چھوٹے اجرام فلکی ہیں جو ہزاروں کی تعداد میں ہیں۔ پلوٹو کو اس کے بہت چھوٹے سائز کی بنا پر اب سیاروں کی فہرست سے نکال کی اسی چوتھے گروہ میں شامل کر دیا گیا ہے جو بہت چھوٹے اجسام پر مشتمل ہے۔

نظام شمسی پر ہونے والا یہ کام بتاتا ہے کہ علم کی دنیا میں حقائق پر غور و فکر سے حقیقت نہیں

بدلتی۔ یا تو نئے حقائق ہمارے علم میں آ جاتے ہیں جو پچھلوں کی نظر میں نہیں آ سکے تھے یا پھر کوئی ایسا پہلو نمایاں ہو جاتا ہے جو پہلے نمایاں نہیں تھا۔

جو معاملہ کائنات کا ہے وہی معاملہ دین کا بھی ہے۔ خدا کا دین وہی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔ اسے قدیم اہل علم نے بھی سمجھا اور جدید اہل علم بھی سمجھ رہے ہیں۔ زمانہ قدیم میں اہل علم دین کو جس طرح بیان کرتے تھے، جدید دور کے اہل علم اس کے بعض پہلوؤں کو قدرے مختلف زاویے سے بیان کرتے ہیں۔ بعض اوقات وہ پچھلوں کے فہم کی غلطی کو واضح کر رہے ہوتے ہیں اور بعض اوقات وہ دین کے ان پہلوؤں کو نمایاں کرتے ہیں جو پہلے سامنے نہیں آئے تھے۔ اس سے متوحش نہیں ہونا چاہیے کہ یہ دین میں کوئی تبدیلی یا اضافہ نہیں ہے۔

مثال کے طور پر پچھلی صدی میں امام فراہی نے نظم قرآن کا تصور پیش کیا۔ گرچہ اس کا ذکر اسلاف کے ہاں بھی انفرادی طور پر بعض اہل علم، جیسے امام رازی کے ہاں ملتا ہے، مگر امام فراہی نے اسے بڑی تفصیل سے بیان کیا اور ان کے شاگرد رشید امین احسن اصلاحی نے اس کی بنیاد پر اپنی مشہور تفسیر تدبرِ قرآن لکھ کر نظم قرآن کو بالکل کھول کر رکھ دیا۔ یہ کوئی اجنبی چیز قرآن میں داخل نہیں کی گئی بلکہ یہ نظم قرآن میں پہلے ہی موجود تھا جسے امام فراہی اور ان کے تلامذہ نے فکر و تدبر کے بعد واضح کر کے بیان کر دیا۔

جو لوگ علم کی دنیا کو سمجھتے ہیں وہ کبھی اس طرح کے اعتراضات نہیں اٹھاتے کہ یہ بات چونکہ پچھلے لوگوں کے ہاں موجود نہیں ہے، اس لیے درست نہیں۔ یہ رویہ عقیدت کی دنیا میں تو چل سکتا ہے، مگر علم کی دنیا میں اس کی کوئی گنجائش نہیں۔ علم کی دنیا میں تو یہ دیکھا جاتا ہے کہ جو بات کہی جا رہی ہے وہ حقائق کے مطابق اور دلیل پر مبنی ہے یا نہیں۔ اگر ہے تو قبول کر لی جاتی ہے، ورنہ رد کر دی جاتی ہے۔ یہی وہ چیز ہے جو علم کی دنیا کو عقیدت کی دنیا سے مختلف بناتی ہے۔

جنسی بے راہ روی

دور جدید میں مغربی تہذیب کو عالمی غلبہ حاصل ہے۔ یہ عالمی غلبہ کسی سازش کا نتیجہ نہیں بلکہ خدا کے اس قانون قدرت کا نتیجہ ہے جس کے مطابق دنیا میں جو قوم علم اور ٹیکنالوجی میں آگے ہوتی ہے اور اخلاقی طور پر ایک بہتر جگہ پر کھڑی ہوتی ہے، اسے دنیا پر غلبہ دے دیا جاتا ہے۔ تاہم اس کا مطلب یہ نہیں کہ مغربی تہذیب صرف خوبیوں کا مجموعہ ہے۔اس میں بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو انسانیت کے لیے موت کی حیثیت رکھتی ہیں اور رفتہ رفتہ معاشروں کو برباد کر دیتی ہیں۔ عریانی اور جنسی بے راہ روی مغربی تہذیب میں موجود ایسا ہی ایک عنصر ہے جو رفتہ رفتہ اس کے سماج کی جڑیں کھوکھلی کرتا چلا جار ہا ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ انسانی فطرت نہ عریانی کو پسند کرتی ہے اور نہ جنسی بے راہ روی کو۔ یہ چیزیں کبھی بھی انسانی تہذیب کا کوئی مستقل حصہ نہیں رہیں۔ مغرب میں بھی ان چیزوں کو رواج دینے کے لیے بہت سی تاویلیں گھڑی گئیں۔ بہت سے فلسفے ایجاد کیے گئے۔ بہت سے غیر محسوس طریقے اختیار کیے گئے۔تب ہی یہ ممکن ہوسکا کہ خواتین کو کم لباسی پر آمادہ کیا جا سکا۔دائرہ نکاح سے باہر مرد وزن کے تعلق کو سماج میں قابل قبول بنایا جا سکا۔

ان تمام ذرائع میں جو عریانی اور فحاشی کو معاشرتی قدر بنانے میں معاون رہے، میڈیا کا کردار بہت غیر معمولی رہا۔خاص کر سینیما نے اس سلسلے میں بنیادی کردار ادا کیا۔سینیما نے ایک مصنوعی دنیا تشکیل دی جس میں کردار بے دھڑک ہر حد کو عبور کر جاتے ہیں، مگر فلم دیکھنے والوں پر تاثر یہ پڑتا ہے کہ حقیقت کی دنیا میں بھی ایسا ہوتا ہے۔ جبکہ حقیقت کی دنیا اس سے بہت مختلف ہوتی ہے۔مگر ایک مصنوعی چیز کو جب انسان مستقل حقیقت سمجھ کر دیکھتا رہتا ہے تو آخر کار وہ حقائق کو بدلنا شروع کر دیتا ہے۔ چنانچہ مغربی معاشروں نے لباس اور مرد وزن کے معاملات

کے بارے میں وہی رویہ عملی طور پر اختیار کرلیا جو فلموں میں دکھایا جاتا رہا۔ یہ وہ مغربی خواب (Western Dream) تھا جو ہالی وڈ نے پہلے مغربی معاشروں کو دکھایا اور آخر کار ہالی وڈ فلموں کی عالمی مقبولیت کے سہارے بیشتر دنیا میں یہی خواب حقیقت بن کر چھا گیا۔

تاہم سچائی یہ ہے کہ اس خواب کی عملی تعبیر بہت بھیانک ہے۔ اس خواب نے خاندان کے ادارے کو بہت کمزور کردیا۔ خاندان وہ فیکٹری ہے جہاں انسانی بچے پیدا ہوتے ہیں۔ انسانی بچے دوسرے حیوانات کے برعکس طویل عرصے تک والدین کی مکمل نگہداشت کے محتاج ہوتے ہیں۔ ان کا جسم ہی نہیں بلکہ ان کی نفسیات کا یہ تقاضا ہوتا ہے کہ وہ ماں کی شفقت اور باپ کی چھاؤں میں پروان چڑھیں۔ ان بچوں کی عادات، اخلاق، رویے جن کے اثرات آنے والے دنوں میں ان گنت زندگیوں کو متاثر کرتے ہیں، خاندان کی اسی چھتری تلے جنم لیتے ہیں۔ خاندان مستحکم ہوتا ہے تو بچے کی شخصیت مثبت بنیادوں پر اٹھتی ہے۔ خاندان بکھر جائے تو یہی بچہ ایک مجرم، ایک ظالم، ایک قاتل اور ایک بے حس شخص بن کر معاشرے کا ناسور بن جاتا ہے۔

مگر جنسی بے راہ روی کی وقتی لذت خاندان کی مضبوط اساسات کو تہس نہس کر دیتی ہے۔ مرد و عورت کا رشتہ کچے دھاگے کی طرح ٹوٹتا اور خاندان کا ادارہ ریت کے گھروندے کی طرح بکھر جاتا ہے۔ جوان مرد و عورت اس طرح کے حادثات سے وقتی طور پر متاثر ہوتے ہیں اور پھر زندگی اپنی ڈگر پر چل پڑتی ہے، مگر بچوں کی شخصیت اس عمل میں بکھر جاتی ہے۔ والدین کی علیحدگی انھیں اپنی زندگی کے سب سے بڑے سکون سے محروم کردیتی ہے۔ ان کی زندگی قربانی، ایثار و محبت کے بجائے خود غرضی، جھگڑے، فساد اور بے صبری کا نمونہ بن جاتی ہے۔

جنسی بے راہ روی بظاہر ایک خوشنما چیز ہے۔ مگر اس کے نتائج معاشرے کے لیے تباہ کن ہوتے ہیں۔ انسانیت نے یہ بات نہ سمجھی تو انسانوں کا مستقبل بہت خوفناک ہوگا۔

اسلام کی روحانیت

اللہ تعالیٰ نے انسان کو جس طرز پر بنایا ہے، اس میں بظاہر سب سے اہم اور بنیادی حصہ انسان کا جسم یا اس کا حیوانی وجود ہے۔ تاہم حقیقت یہ ہے کہ انسان کو جو چیز انسان بناتی ہے وہ اس وجود کا غیر مادی حصہ ہے۔ یہ غیر مادی حصہ چار چیزوں پر مشتمل ہے۔

عقل و بصیرت

ذوق جمال

خیر و شر کا شعور

کسی برتر ہستی کے سامنے جھکنے اور اس کے تعلق سے سکون پانے کا ذوق

یہ آخری چیز وہ ہے جسے عرف عام میں روحانیت کہا جاتا ہے۔ اس روحانیت کا ماخذ زمانہ قدیم سے فلسفہ و تصوف رہا ہے۔ مادیت کی نفی یا تقلیل، دنیا سے بے رغبتی یا ترک دنیا، اوراد و وظائف، مراقبے اور چلے وغیرہ ہر دور میں اس کے حصول کا ذریعہ سمجھے گئے ہیں۔ تاہم قرآن مجید نے اس پورے تصور روحانیت کو الٹ کر ایک بالکل مختلف تصور عطا کیا ہے۔

اس تصور میں پہلی منفرد چیز اس کو ایک نام دینا ہے۔ قرآن مجید نے روحانی انسان کے برعکس ربانی انسان کا تصور دیا ہے۔ ربانی کا مطلب اللہ والا ہوتا ہے۔ اس نام کا مطلب یہ ہے کہ روحانیت کی کوئی ایسی قسم قرآن کو قبول نہیں جس میں خدا کو مائنس کر کے یا غیر اللہ سے متعلق ہو کر روحانیت حاصل کی جائے۔ جیسے بدھ مت، ہندو مت یا دیگر متصوفانہ اور مشرکانہ مذاہب کے تصور روحانیت میں خدا کی ہستی کی جزوی یا کلی نفی کر دی گئی ہے۔

ربانیت میں خدا اور بندے کے بیچ میں کوئی نہیں ہوتا۔ یہاں صرف پیغمبر علیہ السلام کی ہستی ہے جن کا کام ہدایت دینا اور اس راستے کی طرف رہنمائی ہے جو قرآن و سنت کی شکل میں

تا قیامت ہر انسان کی دسترس میں ہے۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا بتایا ہوا اگرچہ یہ راستہ ہمہ گیر پہلوؤں سے انسانوں کی رہنمائی کرتا ہے، مگر اس کی خصوصیت یہ ہے کہ خدا کے تعلق کے حوالے سے بھی جزئیات میں جا کر انسانوں کی رہنمائی کرتا ہے۔ اس تعلق کی دو بنیادی اساسات ہیں جنھیں اختیار کر کے کوئی انسان حقیقی معنوں میں روحانی یا قرآن کے الفاظ میں ربانی انسان بن سکتا ہے۔

اس کی پہلی اساس عبادات کا نظام ہے۔ عبادات کے نظام کی ایک شریعت ہے جو عام طور پر سب کو معلوم ہے۔ یعنی نماز پانچ وقت ہوتی ہے، رمضان کے روزے رکھنے ہوتے ہیں، اگر مال نصاب سے زیادہ ہو تو وقت مقررہ پر زکوٰۃ ادا کرنی ہوتی ہے اور زندگی میں ایک دفعہ حج کرنا ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ ان عبادات کی ایک حقیقت یا اسپرٹ ہے۔ یہی اسپرٹ روحانیت پیدا کرتی ہے۔ نماز خدا کی یاد، روزہ تقویٰ، زکوٰۃ پاکیزگی نفس اور حج و عمرہ خدا کی محبت اور اس کے لیے غیرت کے جذبات تازہ کرنے کے ذرائع ہیں۔ ان احساسات کے تحت ادا کی جانے والی عبادات خدا سے زندہ تعلق پیدا کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ ہیں۔

اس تعلق کی دوسری اساس وہ رویے اور سوچ ہے جو قرآن مختلف حوالوں سے پیدا کرتا ہے۔ ایمان و یقین، اسلام و اطاعت، ذکر و فکر، محبت و نصرت، تقویٰ و توبہ اور صبر و توکل وہ رویے اور ذہنی رجحانات ہیں جو اگر کسی شخص میں پیدا ہو جائیں تو وہ حقیقت میں سچا خدا پرست اور روحانی انسان بن جاتا ہے۔

اس کے بعد چاہے داؤد علیہ السلام کی طرح اپنے زمانے کا بادشاہ ہو، سلیمان علیہ السلام کی طرح جاہ و جلال اور نعمت و فضل میں زندگی گزارتا ہو، یوسف علیہ السلام کی طرح مصر کا مختار کل ہو؛ اس کی روحانیت متاثر نہیں ہوتی۔ خدا ایسے ہی بندوں کو اپنا بہترین بندہ کہتا ہے۔ یہی ربانی انسان ہم سب کے لیے رول ماڈل کی حیثیت رکھتا ہے۔

ابو یحییٰ

ڈاکٹر مرسی

پچھلے دنوں ڈاکٹر محمد مرسی (1951-2019) کی دوران قید انتقال کی خبر ملی۔ ان کا انتقال اور اس سے قبل ان کی حکومت کا خاتمہ جن حالات میں ہوا وہ انتہائی افسوسناک ہیں۔ بتایا جا رہا ہے کہ انھیں دوران قید وہ ضروری ادویات نہیں فراہم کی جاتی تھیں جو ان کی زندگی کے لیے ضروری تھیں۔ چنانچہ یہی چیز ان کے انتقال کا سبب بن گئی۔ یہ بات اگر درست ہے تو بلاشبہ یہ قتل عمد کی ایک واردات ہے جس کی ہر صورت مذمت ہونی چاہیے۔

ڈاکٹر مرسی کی معزولی کے واقعات بھی ایسے ہی افسوسناک ہیں۔ وہ جون 2012 میں مصر کے پانچویں صدر منتخب ہوئے اور جولائی 2013 میں جنرل سیسی کی ایک بغاوت کے نتیجے میں انھیں معزول کر کے قید کر دیا گیا۔ اس کے بعد اخوان کی طرف سے جو مظاہرے اس بغاوت کے خلاف کیے گئے، انھیں انتہائی بے رحمی سے کچل دیا گیا۔ ان میں رابعہ العدویہ میں کیا جانے والا قتل عام موجودہ دور میں مظاہرین کے قتل عام کا سب سے بڑا واقعہ تھا جس میں مقتولین کی تعداد کئی سو سے ہزاروں تک بیان کی جاتی ہے۔

اس بغاوت پر مغربی ممالک ہی نہیں بلکہ عرب اور مسلم ممالک کی طرف سے بھی خاموشی اختیار کی گئی۔ حتیٰ کہ شیخ الازہر نے بھی اس بغاوت کی حمایت کی تھی۔ اخوان کے ساتھ دنیا بھر کا یہ رویہ پہلی دفعہ نہیں سامنے آیا تھا۔ اخوان اپنے آغاز ہی سے ایسے ہی ابتلا کا شکار رہے ہیں۔ 1928 میں حسن البنا کے زیر قیادت شروع ہونے والی اس تحریک کو شاہ فاروق کے زمانے 1948 میں پہلی دفعہ خلاف قانون قرار دیا گیا اور اس کے چند ماہ بعد حسن البنا کو محض 43 برس کی عمر میں قاہرہ میں گولی مار دی گئی۔ اس کے بعد سید قطب اور دیگر اخوانی رہنماؤں کے ساتھ جو

کچھ ہوا وہ ایک معلوم تاریخ ہے۔ ڈاکٹر مرسی اسی تاریخ کا ایک اور باب ہیں۔

تاہم ڈاکٹر مرسی کا معاملہ اس پہلو سے بالکل مختلف تھا کہ وہ ایک منتخب رہنما تھے جو 2012 کے الیکشن میں 51 فی صد ووٹوں کے ساتھ صدر منتخب ہوئے تھے۔ ہمارے نزدیک ایک منتخب اسلام پسند رہنما کی معزولی وہ ایک اہم واقعہ بن گئی جس نے آنے والے برسوں میں مشرق وسطیٰ میں دہشت گردی کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا۔

نظریاتی کشمکش کا درست میدان

ڈاکٹر مرسی کا اقتدار میں آنا ایک اہم موقع تھا جس سے وہ کشمکش ختم ہوسکتی تھی جو اسلامی دنیا کے اندر اور خود اسلام اور مغرب کے مابین تقریباً ایک صدی سے نظریاتی بنیادوں پر جاری ہے۔ مگر بدقسمتی سے ایسا نہیں ہوسکا۔ ہمارے نزدیک اب وقت آ گیا ہے کہ اس نظریاتی کشمکش کو اس کے صحیح میدان میں لڑا جائے۔ اس وقت میدان کے غلط انتخاب کی بنا پر اہل اسلام مسلسل مصائب و شکست سے دوچار ہیں۔ ہم اس تفصیل کو قارئین کے سامنے اس امید پر رکھ رہے ہیں کہ شہید مرسی کے اخلاص کی بنا پر شاید اصلاح احوال کی کوئی شکل پیدا ہوسکے۔ ورنہ یہ بات یقینی ہے کہ آئندہ آنے والے دنوں میں اسلام کے نام پر کھڑے ہونے والوں کو اسی طرح شدید مصائب کا سامنا کرنا پڑے گا۔

غلبہ اسلام کی نظریاتی اساس

اوپر جس کشمکش کا ہم نے ذکر کیا ہے اس کا آغاز پچھلی صدی کے ربع اول میں ہوا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب مسلمان بارہ سو برس دنیا پر تنہا سپر پاور کی حیثیت سے حکمرانی کرنے کے بعد دنیا کے منصب امامت سے اس طرح معزول ہوئے تھے کہ ڈھونڈنے سے بھی ان کے اقتدار کا نشان نہیں ملتا تھا۔ ایشیا، افریقہ اور یورپ میں عظیم اقتدار رکھنے والے مسلمان ہر جگہ مغلوب ہو چکے تھے۔ عثمانی سلطنت کے ٹکڑے ٹکڑے ہو چکے تھے اور عظیم مغل سلطنت ختم ہو چکی تھی۔ مسلمانوں کی

ہر فوجی اور سیاسی مزاحمت دم توڑ چکی تھی۔ افریقہ میں سنوسی تحریک، عمر مختار، مھدی سوڈانی، روس میں امام شامل اور سب سے بڑھ کر جنوبی ایشیا میں ٹیپو سلطان، تحریک مجاہدین اور اس کے قائدین سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہید کی پے در پے شکستوں اور آخر میں جنگ آزادی میں شکست نے یہ بتا دیا تھا کہ مسلمانوں کا دور ختم ہو چکا ہے۔

بیسویں صدی کی ابتدا کا یہ وہ زمانہ تھا جب ہر باشعور مسلمان ایک زبردست صدمے کی حالت میں تھا۔ وہ ایک نسل پہلے تک سپر پاور تھے اور اب غلام ہو چکے تھے۔ اس بدترین مغلوبیت کے باوجود اسلام کا غلبہ اور دنیا میں مسلمانوں کا عروج ہر مسلمان کا خواب تھا۔ جمال الدین افغانی اور علامہ اقبال سے لے کر مولانا آزاد اور مولانا محمد علی جوہر کی جدوجہد کا مرکز مسلمانوں کو جھنجھوڑنا، غلبہ دین کے لیے اٹھانا اور خلافت کا تحفظ تھا جو مسلمانوں کے اقتدار کی آخری نشانی تھی۔ اقبال کا یہ شعر اس زمانے کے مسلمانوں کے اسی احساس کا آئینہ دار تھا۔

سبق پھر پڑھ صداقت کا، عدالت کا، شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

مگر امامت عالم کی اس نشانی کو انھی کمال اتاترک نے خود ختم کر دیا جنھوں نے ترکی کو یورپین طاقتوں کے قبضے میں جانے سے بچایا تھا۔ اسی کا مرثیہ اقبال نے اس طرح پڑھا تھا۔

چاک کر دی تُرکِ ناداں نے خلافت کی قبا
سادگی مسلم کی دیکھ، اَوروں کی عیّاری بھی دیکھ

یہ وہ حالات تھے جب مسلمان سیاسی اور فکری میدان میں مکمل طور پر مایوس ہو چکے تھے۔ ایسے میں بیسویں صدی کی تیسری دہائی میں بیک وقت دو شخصیات عالم عرب اور عالم عجم میں فکری اور عملی میدان میں سامنے آئیں۔ ایک شخصیت مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی تھی جنھوں نے اپنے لٹریچر میں پہلی دفعہ دین کے عالمی غلبے کو مذہبی نصب العین قرار دے کر ایک نظریاتی اساس

مہیا کردی۔ دوسری شخصیت حسن البنا کی تھی جنھوں نے اسی نصب العین کے لیے اخوان المسلمون جیسی متحرک اور فعال تنظیم قائم کی۔ بعد میں مولانا مودودی کا لٹریچر جب عربی میں منتقل ہوا تو اخوان کو اپنے مشن کی نظریاتی اساس مل گئی جبکہ مولانا مودودی نے اپنی جماعت قائم کر کے حکومت الٰہیہ کے قیام کی عملی جدوجہد شروع کردی۔

غلبہ اسلام کے نظریے کے نتائج فکر

غلبہ اسلام کے اس نظریے کو اب کم وبیش ایک صدی گزر چکی ہے۔ اس عرصے میں بہت سا پانی پلوں کے نیچے سے بہہ چکا ہے۔ غلبہ اسلام کا جو خواب ایک صدی پہلے دیکھا گیا تھا وہ ہنوز تشنہ تعبیر ہے۔ گرچہ اس خواب کے لیے جان، مال، وقت، صلاحیت اور سب سے بڑھ کر اپنی زندگی اور جان دینے والوں کی اتنی بڑی تعداد ہے کہ انسانی تاریخ میں انسانی قربانیوں کی ایسی نظیر کم نظر آئے گی۔

میں دوسروں کی نسبت اس فکر کی اساسات سے شاید اس لیے کہیں زیادہ واقف ہوں کہ میری فکری اٹھان مولانا مودودی کے لٹریچر کے زیر اثر ہوئی ہے۔ میری نوجوانی اور جوانی کا بڑا عرصہ غلبہ اسلام کا یہی خواب دیکھتے ہوئے گزرا ہے۔ میرے پی ایچ ڈی کے مقالے کا ایک بہت بڑا حصہ مولانا مودودی کے اسی غلبہ دین کے موضوع پر ہے۔

ظاہر ہے کہ میں پی ایچ ڈی کے مقالے کی طرح اس مختصر مضمون میں حوالوں کے ساتھ تو اس فکر کو بیان نہیں کرسکتا لیکن اگر غلبہ اسلام کے اس نظریے کا خلاصہ کیا جائے تو فکری اساسات سے قطع نظر اس کا پیغام یہ ہے کہ مسلمانوں کو پوری دنیا پر اسلام کا سیاسی غلبہ قائم کرنا ہے۔ مسلمانوں کے سوا یہ کسی اور کا حق نہیں کہ وہ دنیا میں اپنا اقتدار باقی رکھ سکے۔ بہت ہوا تو وہ مسلمانوں کے اقتدار کے تحت اپنے مذہب کے مطابق دوسرے درجے کے ایک شہری کے طور پر اپنی زندگی گزار سکتے ہیں اور بس۔

دوسری تبدیلی

اپنے بنیادی لٹریچر میں یہ فکر آج بھی اسی طرح موجود ہے۔ تاہم آنے والے برسوں میں سید ابوالاعلیٰ مودودی نے اپنی جدوجہد میں ایک بنیادی عملی تبدیلی کر دی تھی۔ وہ یہ کہ انھوں نے اجتماعی تبدیلی کے عمل میں جمہوری راستے کو اختیار کر لیا تھا۔ اس کے تفصیلی دلائل انھوں نے اپنی مشہور عالم تفسیر تفہیم القرآن میں سورہ شوریٰ (38:42) میں وَأَمۡرُهُمۡ شُورَىٰ بَيۡنَهُمۡ کے تحت بیان کر دیے تھے۔ انقلابی تبدیلی کے بجائے جمہوری راستے کو اپنانا ایک بڑی غیر معمولی تبدیلی تھی۔ اس کے نتیجے میں غلبہ دین کے تصور میں جبر کا جو عنصر نظر آتا تھا وہ بڑی حد تک ختم ہو گیا۔ بعد ازاں اخوان نے بھی اسی جمہوری سیاسی راستے کو اختیار کر لیا۔ اسی اصول پر انھوں نے 2012 کے الیکشن میں حصہ لے کر کامیابی بھی حاصل کر لی لیکن بدقسمتی سے جنرل سیسی کی بغاوت نے ان کا راستہ روک دیا۔

اب ہم اس بات کی طرف آتے ہیں جس کی بنا پر ابھی مغرب اور عالم اسلام میں بھی بہت سے فکری گروہ اخوان کو اپنا دشمن سمجھتے ہیں۔ ہمارے نزدیک جب کوئی گروہ جمہوری راستے کو اختیار کر لیتا ہے تو پھر یہ کسی کا حق نہیں کہ ان کی راہ میں کسی قسم کی رکاوٹ ڈالیں۔ مگر ایک دوسری حقیقت اپنی جگہ بہرحال موجود ہے۔ یہ وہ حقیقت ہے جسے اخوان اور غلبہ دین کی فکر سے متاثر ہر شخص کو سمجھ لینا چاہیے۔ وہ یہ کہ آپ کا بنیادی لٹریچر اگر اس بات کو اصول کے طور پر بیان کر رہا ہے کہ آپ نے آخر کار باقی دنیا پر اپنا سیاسی غلبہ قائم کر کے انھیں محکوم ہی بنانا ہے تو پھر آپ دنیا سے کسی رحم، مروت، اور کسی قسم کی اصول پسندی کی توقع نہ رکھیں۔

اس طالب علم نے نوجوانی میں اپنا پہلا فکری مضمون لکھا تھا تو اس میں ایک جملہ لکھا تھا۔ وہ یہ کہ حکمران اپنے اقتدار کے حریف کا گلا بغیر کسی لحاظ کے کاٹ دیتا ہے، چاہے وہ اس کے نبی کا نواسہ ہی کیوں نہ ہو۔ یہ اگر ایک حقیقت ہے تو دنیا پر اپنا غلبہ قائم کرنے کے خواہشمند کسی بھی سادہ

مزاج مرد وعورت کو یہ توقع نہیں کرنی چاہیے کہ باقی دنیا ان کے گلے میں پھولوں کے ہار ڈالے گی۔ دنیا وہی کرے گی جو اس نے اخوان کے ساتھ کیا ہے۔

چنانچہ اخوان اور ان کی ہم فکر ہر جماعت کے لیے اس بے رحم دنیا میں یہی درست طریقہ ہے کہ وہ جمہوری راستے کو اختیار کریں۔ یہ وہ تبدیلی ہے جو آ چکی ہے۔ لیکن ایک دوسری تبدیلی کی بھی ضرورت ہے۔ وہ یہ کہ آپ مسلمانوں کے دنیا پر غلبے کے تصور سے اگر دستبردار نہیں ہو سکتے تو خدارا غلبے کی اس جدوجہد کو دعوت اور ایمان و اخلاق کے تحت کر دیں۔ آپ کی منزل اگر ہے تو اس راہ پر ہے۔

حضور کے غلبے کی نوعیت

ہر نظریاتی آدمی رومان میں جیتا ہے۔ ہم بھی ایک زمانے تک غلبہ دین کے اسی رومان میں جیے کہ سپر پاور سے صفر پاور تک پہنچنے والی قوم کے لیے دنیا پر غلبے سے بڑا کوئی رومان نہیں ہو سکتا۔ مگر جب اللہ نے کرم کیا اور ایمان کی راہ پر قدم رکھ کر یہ فیصلہ کیا کہ زندگی اپنے تعصّبات کے تحت نہیں بلکہ خدا کی مرضی جاننے اور اسی کے تحت گزارنی ہے تو خدا نے ہر راہ کھول دی۔ قرآن مجید کے مطالعے نے یہ بات آخری درجے میں واضح کر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس طرح کا کوئی مطالبہ اہل ایمان سے نہیں کیا کہ وہ اسلام کو دنیا پر غالب کرنے کی کوئی جدوجہد کریں۔ مطالبہ بس ایمان، اخلاق، شریعت کو اپنانے اور دوسروں تک دین پہنچانے کا ہے۔

غلبہ دین کا نظریہ اصل میں ایک غلط فہمی تھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جدوجہد کو دیکھ کر ہوئی۔ اس جدوجہد کو جب تاریخ کے آئینے میں دیکھا جائے تو بظاہر یہی نظر آتا ہے کہ حضور آئے، دین کی دعوت دی اور آخر میں عرب میں اسلام کا غلبہ قائم کر کے اس طرح رخصت ہوئے کہ ہر مشرک سے زندہ رہنے کا حق چھین لیا گیا اور یہود و نصاریٰ کو مغلوب کر کے دوسرے درجے کے شہری کے طور پر زندگی کا حق دیا گیا۔

لیکن اس واقعے کو جب قرآن کی روشنی میں دیکھا جاتا ہے تو قرآن واضح ترین الفاظ میں اعلان کرتا ہے کہ یہ خدا کا آسمانی فیصلہ تھا۔ حضور ایک رسول تھے اور ہر رسول کی طرح حضور کے لیے یہ مقدر تھا کہ آپ اپنی قوم پر غالب آئیں گے اور منکرین کو اسی دنیا میں موت اور ذلت کا عذاب جھیلنا ہوگا۔ قرآن رسولوں کی اسی تاریخ کے بیان اور اس کی روشنی میں منکرین رسالت کو ان کے انجام پر کی جانے والی تنبیہات سے بھرا ہوا ہے۔ زیادہ نہ صحیح قرآن مجید کی ایک چھوٹی سی سورت سورہ قمر کو پڑھ لیں۔ آپ سارے رسولوں کے بعد حضور کی قوم کے بارے میں اللہ کا یہ فیصلہ پڑھ لیں گے کہ حضور کے منکرین کسی طور پچھلے رسولوں سے کچھ بہتر نہیں کہ اللہ تعالیٰ انھیں چھوڑ دیں گے یا ان کے لیے کسی قسم کی کوئی معافی ہے۔ اس مقام پر قرآن نے یہ کمال کیا ہے کہ جو انجام ان کفار مکہ کے لیے مقدر تھا اس کی بعینہٖ پیش گوئی کر دی۔ یعنی ان کا طاقتور جتھہ شکست کھائے گا اور یہ پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے۔ (القمر 54:45-43)۔

دنیا نے یہ منظر یوم الفرقان یعنی جنگ بدر میں اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ پھر کچھ ہی عرصہ میں اسلام سرزمین عرب کا واحد دین بن کر سامنے آ گیا۔ یہ بھی ایک خدائی فیصلہ تھا جس کا اعلان قرآن میں تین جگہ اس کے ہونے سے پہلے کر دیا گیا تھا کہ یہ مشرکین عرب لاکھ کوشش کر لیں، اللہ نے اپنے رسول کو بھیجا ہی اس لیے ہے کہ وہ اس سرزمین میں دین اسلام کو غالب کر کے دم لے گا۔

هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ۔ (الصّف 61:9) آیت صاف طور پر بتاتی ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ مسلمانوں سے کچھ نہیں کہہ رہے۔ وہ یہ بتا رہے ہیں کہ وہ کیا فیصلہ کر چکے ہیں۔ یہ ایک تکوینی اور خدائی فیصلہ تھا جس کا بعد کے مسلمانوں کی دینی جدوجہد سے کوئی تعلق نہیں۔ اب مسلمانوں کے غلبے کا اگر کوئی راز ہے تو وہ ایمان و عمل صالح کی دعوت کو اختیار کرنا ہے۔ وہ اگر یہ کریں گے تو پھر زمین کا

اقتدار ان کو ملے گا۔ ہم نے اس بات کو اپنی کتاب آخری جنگ میں بہت تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا ہے۔

اس طالب علم کی یہ گزارشات سمجھ لی جائیں تو غلبہ دین کے لیے جدوجہد کرنے والوں کو اپنے لیے ایک قابل عمل راستہ مل سکتا ہے۔ دنیا کی غالب اقوام کے اہل فکر ونظر اور ارباب حل وعقد سید قطب اور سید مودودی کے لٹریچر اور اس سے نکلنے والے نتائج سے اس سے کہیں زیادہ واقف ہیں جتنے ان جماعتوں کے سادہ لوح وابستگان ہوتے ہیں۔ یہ معاملہ اتنا سادہ نہیں ہے جتنا ہمارے سادہ لوح اسلام پسند سمجھتے ہیں۔ اس طرح کی کسی بھی جدوجہد اور کسی بھی نظریے کے حاملین کو دنیا کی غالب اقوام کبھی اقتدار میں نہیں آنے دیں گی۔ آ گئے تو اقتدار چھین لیں گی۔ یہ ممکن نہ ہوا تو ایسے کسی بھی ملک کا گھیراؤ کر کے اسے بالکل محدود کر دیا جائے گا۔

عالم اسباب سے ہٹ کر ایک آخری امید خدا کی ہستی سے ہے کہ وہ اپنی نصرت بھیجے گا۔ لیکن نہ اللہ تعالیٰ نے اس طرح کا کام کسی کے ذمے لگایا ہے اور نہ وہ کبھی ایسے مدد کیا کرتے ہیں۔ جیسا کہ اوپر بیان ہوا یہ پورا نظریہ ہی ایک غلط فہمی پر قائم ہے۔ اہل علم نے اس پورے نظریے پر شاندار علمی تنقیدیں کر کے اس کی تمام علمی اساسات کو منہدم کر دیا ہے۔ تاہم بدقسمتی سے جذبات کی دنیا کو اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی کہ علم کی دنیا میں کیا واقعات پیش آ چکے ہیں۔ ہم جذبات کی اس دنیا کے باسیوں کو صرف اتنا متنبہ کرنا چاہیں گے کہ ارطغرل ڈرامہ دیکھنے سے دنیا پر مسلمانوں کا غلبہ دوبارہ قائم نہیں ہوسکتا۔

اب اس غلبے کا کوئی راستہ باقی ہے تو یہ راستہ وہی ہے جو قرآن مجید نے صحابہ کرام کو دکھایا تھا۔ ایمان، اخلاق اور دعوت کا راستہ۔ آگے بڑھیے۔ اس راستے پر خدا آپ کا منتظر ہے۔

مولانا وحید الدین خان

مسئلہ اور غم

کوئی جب بھی کسی مسئلہ سے دو چار ہوتا ہے تو ایسا ہمیشہ فطرت کے قانون کے تحت ہوتا ہے۔ لیکن مسئلہ کو اپنے لیے ایک غم بنا لینا یہ انسان کا اپنا اضافہ ہے۔ ابتدائی طور پر کوئی مسئلہ صرف ایک مسئلہ ہوتا ہے۔ لیکن جب آپ مسئلہ پیش آنے پر غم میں مبتلا ہو جائیں تو اس کا یہ مطلب ہے کہ آپ نے فطرت کے واقعہ پر اپنی طرف سے ایک غیر مطلوب اضافہ کر دیا۔

مسائل کے مقابلہ میں یہی انسان کی اصل غلطی ہے۔ یہ غلطی بے حد سنگین ہے کیونکہ وہ مسئلہ کے حل میں معاون تو نہیں بنتی، البتہ وہ اس کے حل میں ایک فیصلہ کن رکاوٹ بن جاتی ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کسی رسی میں گرہ پڑنے کے بعد اس کو اور زیادہ کس دیا جائے۔

آدمی کو یہ بات جاننا چاہیے کہ اس دنیا میں وہ تنہا نہیں ہے یہاں بہت سے دوسرے لوگ ہیں جن کے درمیان اس کو زندگی گزارنی ہے۔ اس دنیا میں انسان کی حیثیت گویا ایک بہت بڑی مشین کے اندر ایک چھوٹے پرزہ کی ہے یا وہ ایک بے حد مصروف سڑک پر ایک راہگیر ہے۔

انسانی زندگی کی یہی مخصوص نوعیت ہے جو مسائل پیدا کرتی ہے۔ یہ مسائل کبھی عالم فطرت کی طرف سے پیش آتے ہیں اور کبھی دوسرے انسانوں کی طرف سے۔ دونوں حالتوں میں مسئلہ کا حل یہ ہے کہ ضبط وتحمل کے ساتھ اس کا سامنا کیا جائے۔ مسئلہ کو غم کا سوال بنانے کے بجائے اس کو تدبیر کا سوال بنایا جائے۔ مسئلہ پیش آ جانے کے بعد اگر آپ صبر وتحمل کا ثبوت دیں تو آپ کی دلجمعی اور آپ کا ذہنی سکون باقی رہے گا۔ آپ اس پوزیشن میں ہوں گے کہ آپ اپنی پوری صلاحیت کو پیش آمدہ مسئلہ کے حل کے لیے استعمال کرسکیں۔ اور اگر ایسا ہو کہ آپ مسئلہ پیش آنے کے بعد غم میں مبتلا ہو کر اس کو اپنے لیے دردسر بنا لیں تو مسئلہ کے مقابلہ میں آپ اپنا ضروری حصہ ادا کرنے کے قابل نہ رہیں گے۔ یہ ایسا ہی ہوگا جیسے اپنے حریف کو خود سے بلا مقابلہ جیت (unopposed victory) کا موقع دے دیا جائے۔

پروفیسر ضیا زرناب

قیادت کے قابل بننے کے 7 سائنسی اصول

تاریخ کا سب سے بڑا سچ یہی ہے کہ دنیا بھر میں جن قوموں نے اپنی حالت بدلی اور وہ دنیا میں اپنا مقام بنانے میں کامیاب ہوئی ہیں، اگر آپ اُن کی تاریخ کا سرسری جائزہ بھی لیں گے تو آپ کو پتا چلے گا کہ ان خوش نصیب قوموں کو اچھے قائد اور رہنما ملے تھے جنھوں نے اس قوم کی کایا ہی پلٹ دی اور ان کو ممتاز، باوقار اور ترقی یافتہ قوموں کی صف میں لا کھڑا کیا ہے۔

وہ بدقسمت قومیں اور معاشرے جن کا زوال کمال میں نہیں بدل رہا، اُن کو اعلیٰ قائد اور پیشوا میسر نہیں آئے۔ اُن کی ناکامیوں اور زوال کی داستانوں میں نااہل لیڈروں کا کردار بہت زیادہ ہوتا ہے۔

ایک اچھا قائد بننے کے لیے جدید سائنسی تحقیق اور تجربے پر مبنی مندرجہ ذیل سات اصولوں پر عمل کرنا بہت ضروری ہے۔ فرد پر لازم ہے کہ وہ ان پر عمل کرے تاکہ اُس میں قائدانہ صلاحیت پیدا ہو سکے۔ کیونکہ اب یہ تسلیم شُدہ سائنسی حقیقت ہے کہ اعلیٰ قیادت ایک ہنر اور صلاحیت ہے کہ جسے سیکھا جا سکتا ہے۔

خود اچھے پیروکار بنیں

زندگی صرف ان لوگوں کو بڑا بناتی ہے جو قیادت سے پہلے اچھا پیروکار بننا سیکھ جاتے ہیں۔ ہر قائد کبھی نہ کبھی ایک پیروکار رہا ہوتا ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ آپ اپنے قائد کے احکام بجا لائیں تاکہ جب آپ قائد بنیں تو دوسرے آپ کی بات مانیں۔ اچھی ٹیم وہی ہوتی ہے جو اپنے قائد کو منتخب کرنے سے پہلے اچھی طرح جانچ پرکھ لیتی ہے مگر اس کے بعد اس کے حکم کی تعمیل میں ہی اپنی بقا تصور کرتی ہے۔ قائد بھی اپنی ٹیم کا چناؤ سوچ سمجھ کر کرتا ہے، پھر ان کی سنتا ہے اور بعد

ازاں انہیں بڑے مقصد کے لیے تیار کرتا ہے۔

جب آپ کسی کی قیادت میں کام کر رہے ہوں تو ٹیم بنانے کا عمل، اس کی حرکیات، ترجیحات اور عمل کا بغور مشاہدہ کریں اور یہ جانیں کہ لیڈر یعنی قائد ان پر کیسے اثر انداز ہوتا ہے؟ کیسے انہیں بڑے مقصد کی طرف نہ صرف مائل کرتا ہے بلکہ ان کے جیت کے جذبے کو کیسے مزید اُبھارتا ہے؟ قائد کی کون سی صفات لوگوں میں اس کے مرتبے اور مقام کو بڑھاتی ہیں؟ ان تمام اُمور کا وسعتِ قلب اور گہرائی سے مشاہدہ اور مطالعہ ہی آپ کو آنے والے کل کا بہترین قائد بنائے گا۔ اس لیے بطور پیروکار اپنی صلاحیتوں کا بھرپور اور بدرجہ اُتم استعمال نہ صرف آپ کی قابلیت میں اضافہ کرے گا بلکہ آپ کی قائدانہ صلاحیتوں کو بھی چار چاند لگا دے گا۔

خود اعلیٰ مثال بنیں

اپنے کردار اور گفتار میں کوئی فرق نہ آنے دیں اور زندگی اس طرح گزاریں کہ لوگ آپ کی مثال دیں۔ ہزاروں مکالموں اور مباحثوں سے زیادہ ایک چھوٹا سا عمل اپنے اندر یہ قوت رکھتا ہے کہ لوگ نہ صرف اس پر توجہ دیں بلکہ اسے اپنی عملی زندگی کا حصہ بنالیں۔ جو کہیں وہی عملی طور پر خود کریں کہ دنیا اور آخرت کی تمام بھلائیاں اس میں پوشیدہ ہیں۔ پہلے وہ خود کریں جس کی توقع آپ دوسروں سے کرتے ہیں۔

مثال کے طور آپ چاہتے ہیں کہ دوسرے سب لوگ ایمانداری اور اخلاص سے کسی بھی کام کو سرانجام دیں تو پہلے یہ دوسروں کو کر کے دکھایئے پھر اس کی توقع کریں، ورنہ آپ لوگوں کے لیے مثال نہیں عبرت کا نمونہ بن کر رہ جائیں گے۔

زندگی میں بانٹنا اور مل جُل کر جینا سیکھیں

دوسروں کو برداشت نہیں بلکہ محبت سے ساتھ رکھنا شروع کر دیں۔ آپ کو اپنی زندگی خوب

سے خوب تر لگنے لگے گی۔ دوسروں کے ساتھ خوشیاں ہی نہیں وقار، عزت اور شہرت بھی بانٹنا شروع کریں۔ کیونکہ ہم مانیں یا نہ مانیں دنیا کی کوئی بھی بڑی کامیابی دوسروں کی مرہونِ منت ہوا کرتی ہے۔ جب آپ دوسروں کے لیے اعلیٰ معیار اور ارفع اقدار کی مثال بن جائیں گے تو دوسروں کو نظم وضبط میں لانا اور بطور ٹیم ان سے کام لینا آپ کے لیے بہت آسان ہو جائے گا۔

اپنے رول ماڈل اور منزل کا واضح تعین کریں

آپ نے زندگی میں کیا کرنا ہے اور آپ کی منزل کیا ہے؟ اس کا واضح تعین کرلیں اور اس کے لیے درکار حکمتِ عملیوں اور اقدام کو بھی لکھ لیں تا کہ آپ اپنے ہر قدم پر اپنا بے لاگ تجزیہ اور بے رحم احتساب کر سکیں۔

یہ دیکھا گیا ہے کہ اکثر لوگ اوائل عمری میں ہی کسی نہ کسی فرد کو اپنا ہیرو یا آئیڈیل بنا لیتے ہیں۔ پھر ان کی زندگی میں اس فرد جیسا بننا ایک عزم اور مقصد کی حیثیت حاصل کر جاتا ہے۔

اگر آپ کی خواہش ہے کہ آپ مستقبل میں اپنی ٹیم، گروہ یا قوم کی قیادت کریں تو فوری طور پر کسی ایسے فرد کو اپنا رول ماڈل بنالیں جو اس کام کو احسن طریقے سے سرانجام دے چکا ہو یا اُس میدان میں عملی طور پر کامیاب ہو چکا ہو۔

پھر اِس فرد کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کریں اور اس کی باتوں، انداز، اور رہن سہن کو اس قدر نقل کریں کہ اصل کا گمان ہونے لگے۔ کچھ عرصے بعد آپ دیکھیں گے کہ آپ کو اس فرد میں بھی خامیاں اور کمزوریاں نظر آنے لگیں گی اب آپ کا اصل کام اور امتحان شروع ہو گیا ہے کہ ان خامیوں کو اپنی ذات اور شخصیت کا حصہ نہ بننے دیں۔ اپنی ذات کی خوبیوں میں اور بہتری لائیں تا کہ جب آپ کے کندھوں پر قیادت کا بوجھ پڑے تو آپ کی شخصیت کی پُختگی اور کردار کی مضبوطی کی لوگ گواہی دیں اور قائد کی حیثیت سے آپ کو تسلیم کرنے میں ذرا

تامل کا شکار نہ ہوں۔

کسی قابل فرد کو اپنا استاد بنالیں

کسی قابل اور معتبر فرد کو اپنا اُستاد، مشیر، گرو، کوچ ضرور بنالیں۔ آج کل مہارت کا زمانہ ہے اور دنیا کے ایک میدان میں سکہ بند عالم یا ماہر زندگی کے کسی دوسرے میدانِ عمل میں جاہل ہے۔

ہر فرد کے پاس ہر طرح کی صلاحیت نہیں ہوسکتی۔ اس لیے کسی نہ کسی کو اپنا رہبر یا مرشد ضرور مان لیں۔ اُن سے سیکھیں، وقتاً فوقتاً ان کے پاس جا کر یا پھر کسی بھی ذریعے سے ان کی مجلس میں حاضر ہوں تا کہ اپنی اصلاح اور تعلیم و تربیت کو یقینی بنا سکیں۔

اپنی ذاتی ترقی کو مسلسل جاری رکھیں

اپنی ذات میں بہتری لانے کے عمل کو ساری زندگی جاری و ساری رکھیں۔ یہ آپ کی دنیا میں وہ سرمایہ کاری ہے کہ جس کا کوئی نعم البدل نہیں ہے۔ خود کو بہتر کرنے پر لگنے والے پیسوں کو کبھی ضائع مت جانیں۔ بلکہ یہ تو وہ سرمایہ کاری ہے جو تگنی، چوگنی ہو کر واپس آتی ہے۔

فضول ٹی وی ڈراموں اور ٹاک شوز دیکھنے میں اپنا وقت برباد نہ کریں۔ اپنی شخصیت اور خاص طور پر قیادت کی صلاحیت میں اضافے کے لیے ٹریننگ پروگرامز، ورکشاپس، لیکچرز اور سیشنز میں باقاعدگی سے جائیں اور لگاتار سیکھنے کو اپنی زندگی کا مشن بنالیں۔

یہ مت بھولیں کہ اپنے آپ کو بہتر بنانے کی کوئی حد نہیں ہے اور اس سفر میں ہر منزل ایک نئے سفر کا پتا دیتی ہے۔ مقصد کو سامنے رکھ کر اپنے ہر کام کو اس کی پیروی میں لگا دیں۔

ہر روز کو گزرے دن سے بہتر بنائیں

اپنی دلچسپیوں کو بدلتے رہیں تا کہ آپ نئی نئی مہارتوں اور صلاحیتوں کو سیکھ سکیں۔ نئے کاموں کو کر کے اور نئے لوگوں سے مل کر اپنی قوتِ برداشت کو آزمائیں اور بڑھائیں۔ نئے نئے میدان

فرد کو نت نئی صلاحیتوں سے روشناس کراتے ہیں۔

اپنی ذات کو وقت دیں اور اس پر سرمایہ لگائیں تاکہ جسمانی اور ذہنی ترقی آپ کا مقدر بن سکے۔ اس کے لیے نئے نئے تجربے کرنے سے مت گھبرائیں اور اپنی شخصیت کی نشو ونما اور ترقی پر کسی بھی صورت کوئی بھی سمجھوتہ نہ کریں۔ ورنہ کچھ عرصے میں آپ کے پاس کچھ نیا کہنے اور کرنے کو نہیں ہوگا جو کسی بھی فرد کی ناکامی کی طرف پہلا قدم ہوتا ہے۔ اس کے لیے آن لائن اچھی یوٹیوب ویڈیوز ضرور دیکھا کریں تاکہ آپ کی بصیرت میں اضافہ ہو سکے۔

گفتگو کا ہنر سیکھیں

قیادت کا وہ بنیادی وصف کہ جس سے دوسرے لوگ بہت جلد اور بہت زیادہ متاثر ہوتے ہیں گفتگو کا ہنر ہے۔ گفتگو سے مراد یہ ہے کہ آپ اپنے پیغام کو دوسروں تک الفاظ وحرکات کی مدد سے کیسے پہنچاتے ہیں اور اس عمل کو غلطیوں اور غلط فہمیوں سے کتنا بچا سکتے ہیں۔

اگر آپ مستقبل میں کسی بھی درجے پر قیادت کے خواہشمند ہیں تو آپ کے لیے لازمی ہے کہ آپ عموماً دوسروں سے بات چیت کرنا سیکھیں اور خصوصاً یہ جانیں کہ دوسروں کو قائل کیسے کیا جاتا ہے؟ آپ کو یہ بھی جاننا ہوگا کہ دوسروں پر اپنی رائے ٹھونسنے کے بجائے انہیں کس طرح اس بات پر آمادہ کیا جاتا ہے کہ وہ آپ کی بات کو دلجمعی سے سُنیں اور پورے جوش وخروش سے مانیں؟

دوسروں کی بات کو پوری توجہ اور یکسوئی سے کیسے سُنا جاتا ہے اور بغیر کوئی رائے قائم کیے ان کی بات کی تہہ تک کیسے پہنچا جاتا ہے؟ دوسروں سے بحث ومباحثے میں اُلجھے بنا کیسے اپنی توجہ کو مقاصد کے حصول پر مرکوز رکھا جاتا ہے؟ یہ سب باتیں گفتگو اور تقریر کے فن سے تعلق رکھتی ہیں جسے ہر دور کے لیڈر کے لیے سیکھنا ضروری تھا، ہے اور رہے گا۔ لیڈر کا گفتگو کا دلنشین انداز اس کے مجموعی تاثر اور شخصیت کی اثر پذیری کو بہت زیادہ بڑھا دیتا ہے۔ اس لیے آپ کو بھی گفتگو اور

تقریر کے فن سے آشنائی اور پھر اس میں مَلکہ حاصل کرنا چاہیے تا کہ آپ مستقبل میں ایک بڑے قائد کے طور پر اُبھر سکیں۔

کتاب سے اُٹوٹ رشتہ قائم کریں

دنیا کے بڑے بڑے قائدین کی زندگی میں ایک چیز جو آپ کو یکساں اور پوری شدت کے ساتھ نظر آئے گی وہ اِن لوگوں کی کتاب سے محبت ہوتی ہے۔ اسی لیے تو لوگ اِن کی اپنی زندگی پر کتاب یعنی آٹو بائیوگرافی کو پڑھنا پسند کرتے ہیں۔ بعض اہلِ علم حضرات کا اس بات پر کامل یقین ہے کہ کتابیں ہی تو اِن لوگوں میں قیادت کی صلاحیت کو نہ صرف پیدا کرتی ہیں بلکہ اِسے جِلا بخشتی ہیں۔ کتاب سے رشتہ جوڑے بغیر قیادت کا اہل بننا آپ کا خواب تو ہو سکتا ہے مگر حقیقت کبھی نہیں بن سکتا۔ آج بھی تعلیم و تربیت کا ایک اہم ترین ذریعہ کتاب ہی ہے۔

ایک ہفتے میں ایک کتاب ورنہ ایک ماہ میں تو ہر صورت ایک کتاب پڑھنا اَپنے آپ پر فرض قرار دے لیں۔ کتاب اپنے میدانِ عمل کے معروف اور مستند مصنف کی ہی پڑھیں تا کہ آپ کو اپنے علم پر بھروسا ہو اور آپ کی معلومات مستند ہوں۔ سال میں 12 سے کم کتابیں پڑھنے والے لوگ اپنے اداروں میں ترقی اور کامیابی کی دوڑ میں دوسروں سے بہت پیچھے رہ جاتے ہیں۔ ہر میدان میں ہر روز لاکھوں نئے صفحات اور تحریریں لکھی جا رہی ہیں اور ماہرین اپنا علم اگلی نسلوں تک پہنچا رہے ہیں۔ آپ اپنے حصے کا علم اور آگہی روزانہ کی بنیاد پر مستند کتابوں اور جرائد سے حاصل کریں تا کہ آپ کامیاب لوگوں کی پہلی صفوں میں اپنی جگہ بنا سکیں۔

[بشکریہ: دنیا میگزین]

جاوید چوہدری

شاباش گروپ

پیرس کے اوپیرا ہاؤس میں مشرقی یورپ کے ایک نامور موسیقار نے پرفارمنس کے لیے آنا تھا، اوپیرا کے تمام ہالز اور گیلریز کے ٹکٹ بک چکے تھے اور تماشائی کوریڈورز اور سیڑھیوں پر کھڑے ہو کر بھی موسیقار کی پرفارمنس دیکھنے کے لیے تیار تھے،شو کا ٹائم ہو گیا، پیرس کے شائقین اپنے شاندار لباس میں خوشبو لگا کر اوپیرا ہاؤس پہنچ گئے اور بے تابی سے موسیقار کی پرفارمنس کا انتظار کرنے لگے لیکن پھر انتظار کی گھڑیاں طویل ہونے لگیں، وقت گزرتا چلا گیا اور اوپیرا ہاؤس میں بیٹھے مرد و زن بے چینی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔

اچانک پردہ اٹھا اور شو کا منتظم مائیک تھام کر اداس لہجے میں بولا خواتین و حضرات میں دلی دکھ کے ساتھ اعلان کرتا ہوں ہمارے محبوب موسیقار کو دل کا دورہ پڑ گیا، ہمارا اسٹاف اسے اسپتال لے گیا ہے، ہمیں افسوس ہے آپ اس کا فن دیکھنے کے لیے یہاں جمع ہوئے ہیں لیکن انسان قدرت کے کاموں میں دخل نہیں دے سکتا، بہرحال ہمارے پاس پیرس کا ایک نوجوان موسیقار موجود ہے۔

یہ موسیقار بھی اتنا ہی خوبصورت وائلن بجاتا ہے جتنا اچھا وائلن سننے کے لیے آپ یہاں جمع ہوئے ہیں، آپ سے میری درخواست ہے آپ اس نوجوان کو پرفارم کرنے کا موقع دیجیے آپ مایوس نہیں ہوں گے، اس کے ساتھ ہی منتظم نے ایک غیر معروف نام لیا اور ایک تیس بتیس سال کا جوان شخص وائلن لے کر اسٹیج پر آ گیا، اس نے وائلن بجانا شروع کیا لیکن وہ تماشائیوں کو متاثر نہ کر سکا، لوگ بوریت سے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے یا آپس میں سرگوشیاں کرنے لگے۔ وہ جوان موسیقار وائلن بجاتا رہا، بجاتا رہا جب تھک گیا تو داد کے لیے ہال میں موجود

لوگوں کے سامنے بار بار جھکنے لگا لیکن ہال میں ایک خوفناک خاموشی تھی۔

موسیقار مکمل طور پر مایوس ہو گیا، وہ واپس جانے کے لیے مڑا لیکن پھر اچانک مہمانوں کی گیلری سے ایک بچہ اٹھا، وہ سیٹ پر کھڑا ہوا اور پوری رفتار سے تالیاں پیٹ پیٹ کر نعرے لگانے لگا یو آر ونڈر فل، یو آر ونڈر فل، میں نے آج تک اتنا اچھا وائلن نہیں سنا، ویل ڈن پیٹر، ویل ڈن پیٹر، موسیقار کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی، اس نے ہونٹوں پر انگلیاں رکھ کر بچے کو ہوائی بوسا دیا اور لوگوں کے سامنے جھک گیا۔

ہال میں موجود خواتین وحضرات نے مہمانوں کی گیلری میں کھڑے بچے کی طرف دیکھا، اسے دیوانہ وار تالیاں پیٹتے پایا تو انھیں محسوس ہوا موسیقار کی پرفارمنس اتنی بری نہیں تھی چنانچہ ہال میں موجود تمام لوگ اپنی اپنی سیٹوں سے اٹھے اور دیوانہ وار تالیاں بجانا شروع کر دیں، یہ سب لوگ ویل ڈن پیٹر، کہہ رہے تھے۔ وہ جوان موسیقار ساری رات وائلن بجاتا رہا اور تماشائی اس کے اعزاز میں تالیاں پیٹتے رہے یہاں تک کہ رات کے پچھلے پہر وہ جوان پیرس کا مقبول ترین وائلن نواز بن چکا تھا، اس کا نیا کیریئر شروع ہو چکا تھا اور اس کا یہ کیریئر آٹھ سال کے ایک بچے کی تالیوں کا مرہون منت تھا۔

ہم سب انسان ہیں اور انسان کے لیے داد، تالیاں، ویل ڈن، شاباش، بہت خوب اور آپ نے کمال کر دیا جیسے لفظ آکسیجن کی حیثیت رکھتے ہیں، ہم زندگی میں جو کچھ کرتے ہیں، ہم روزانہ جس مشقت سے گزرتے ہیں اور ہم صبح سے شام تک پیشے، فن اور کام کی جو صلیب کندھے پر اٹھا کر پھرتے رہتے ہیں اس کا ایک ہی مقصد ہوتا ہے ویل ڈن، واہ جی واہ، شاباش اور کیا بات ہے۔ بس۔

ہماری ساری زندگی، ہماری ساری مشقت ان چند لفظوں سے بندھی ہوتی ہے، انسان اور

جانوروں میں صرف تخلیق کا فرق ہوتا ہے، انسان نے اپنی ہر محرومی کو اپنی تخلیقی صلاحیتوں کے ذریعے شکست دے دی جب کہ جانور ایسا نہیں کر سکے مثلاً اللہ تعالیٰ نے انسان کو رات دی، انسان نے مشعل، چراغ، موم بتی اور برقی قمقمے کے ذریعے اس رات کو دن میں بدل دیا، قدرت نے انسان کو کھلے آسمان کے نیچے ننگی زمین پر پیدا کیا، اسے پسینے کی بو دی، اسے ننگے بدن اور ننگے پاؤں زمین پر بھجوایا۔

اسے کمزور ٹانگیں اور بغیر پنجوں کے پیدا کیا، اس کی جلد کو نرم رکھا اور اس کے جسم کو پروں، سر کو سینگ اور منہ کو تیز نوکیلے دانتوں سے محروم رکھا لیکن انسان نے اپنی ان تمام محرومیوں کو خوفناک ہتھیار، تیز رفتار گاڑیوں، بلٹ پروف جیکٹس، مضبوط جوتوں، دیدہ زیب کپڑوں، خوشبودار صابن، شیمپو اور پرفیومز، زلزلہ پروف گھروں، ہوائی جہازوں اور چھتریوں کی ایجاد سے دور کر لیا جب کہ انسان کے مقابلے میں دنیا کا کوئی جانور آج تک کوئی مکان بنا سکا، کوئی جہاز بنا سکا، پیزا ایجاد کر سکا، شیمپو ایجاد کر سکا اور نہ ہی یہ ٹوتھ پیسٹ کرنا سیکھ سکا۔

دنیا کے پہلے انسان اور آج کے اکیسویں صدی کے انسان کے لائف اسٹائل میں سات آسمان کا فرق ہے جب کہ دنیا کی پہلی بھیڑ اور آج کی اکیسویں صدی کی بھیڑ، حضرت آدمؑ کے زمانے کی بھینس اور آج کی سپر سانک اور لیزر ایج کی بھینس کے لائف اسٹائل میں کوئی فرق نہیں، بھینس کل بھی بھولی تھی اور یہ آج کے پیزا دور میں بھی چارہ ہی کھا رہی ہے! یہ ہے فرق انسان اور جانور میں لیکن یہ فرق پیدا کیسے ہوا؟ یہ فرق تالیوں، شاباش اور واہ جی واہ کا مرہون منت ہے۔ انسان میں دوسروں کو متاثر کرنے کی خوفناک خواہش موجود ہے، یہ اپنی شہرت کو ٹائم لیس بنانا چاہتا ہے، اس کی خواہش ہوتی ہے صدیوں بعد بھی جب اس کا نام لیا جائے تو لوگ سیٹوں سے اٹھ کر تالیاں بجائیں۔

ہم جب اس آٹھ سال کے بچے کی طرح اپنی سیٹ پر کھڑے ہو کر کسی کے لیے تالیاں بجاتے ہیں یا ویل ڈن بش یا شاباش بشیر کہتے ہیں تو اس کے حوصلے کو ایک سیکنڈ میں اٹھارہواں گیئر لگ جاتا ہے، اس کے اندر موجود آئن اسٹائن محرومی کے چھلکے پر ٹھونگیں مارنے لگتا ہے اور اس کے اندر کا بل گیٹس بطن کی دیواریں چھیلنے لگتا ہے۔ آپ دنیا کے نامور لوگوں کی ہسٹری دیکھ لیں آپ کو ہر شخص کی زندگی میں آٹھ سال کے بچے جیسا کوئی نہ کوئی مداح ملے گا جس نے سیٹ سے اٹھ کر اس کے لیے ویل ڈن کا نعرہ لگایا ہو گا اور اس ایک نعرے نے اس کی ساری تلخیوں، اس کی ساری محرومیوں کے سارے داغ دھبے دھو دیے ہوں گے۔

انسان کو کامیابی کے لیے دوسرے انسانوں کی ہمت اور مدد درکار ہوتی ہے اور جس معاشرے میں لوگ دوسروں کی ہمت افزائی کو اپنے لائف اسٹائل کا حصہ بنا لیتے ہیں، جس میں لوگ دوسروں کی سپورٹ کو روٹین کی شکل دے دیتے ہیں، اس میں کامیاب لوگوں کی تعداد زیادہ ہوتی ہے اور جس معاشرے میں لوگ دوسروں کی حوصلہ افزائی نہیں کرتے وہ معاشرے غار کی زندگی کی طرف چلے جاتے ہیں۔ میں انسان کی اس فطرت کو سامنے رکھ کر جب اپنے معاشرے کو دیکھتا ہوں تو مجھے افسوس ہوتا ہے، ہم لوگ دوسروں کے لیے تالی بجانے کے معاملے میں کتنے کنجوس واقع ہوئے ہیں؟

ہم مر جائیں گے لیکن ہمارے منہ سے دوسروں کے لیے ویل ڈن یا شاباش کا لفظ نہیں نکلے گا اور ہماری اس کنجوسی نے ہمارے معاشرے کو مصیبتوں کا گھر بنا دیا ہے۔ ہم سب لوگ ٹینشن میں زندگی گزار رہے ہیں، ہم لوگ شاباش کے بجائے شکوہ کے ماہر ہو گئے ہیں، آپ آج سے جائزہ لے لیں آپ کو محسوس ہو گا ہم میں سے زیادہ تر لوگوں کی گفتگو شکوے سے اسٹارٹ ہوتی ہے اور شکوے پر ختم ہوتی ہے، ہم کسی دوست سے ملتے ہیں تو ہمارا پہلا فقرہ ہوتا ہے یار اب تم تو مجھے ملتے

ہی نہیں ہو، اوئے تم کہاں غائب رہے، بھائی جان میں نے آپ کو پندرہ فون کیے لیکن آپ نے اٹھایا ہی نہیں وغیرہ وغیرہ، دوسرا ہم لوگ دوسروں کی خوشیوں پر ایسا تاثر دیتے ہیں جیسے ہمیں معلوم ہی نہیں تھا اور ان دونوں رجحانات نے ہمارے معاشرے کو تباہی کے دہانے پر پہنچا دیا ہے۔

میں نے اپنے دوستوں کے ساتھ مل کر ایک شاباش گروپ بنایا ہے، ہم لوگوں نے فیصلہ کیا ہے ہم زندگی سے شکوے کم کر دیں گے، ہم اپنی گفتگو کا آغاز کبھی شکوے سے نہیں کریں گے اور ہمیں جہاں کوئی شخص کوشش کرتا دکھائی دے گا ہم آٹھ سال کے بچے کی طرح اس کے لیے تالی بجائیں گے، اس کی حوصلہ افزائی کریں گے۔ ہمارا یہ گروپ کامیاب جا رہا ہے، ہم اپنے سرکل میں صحت مندانہ تبدیلی بھی دیکھ رہے ہیں۔ میری خواہش ہے آج سے آپ بھی ہمارے اس گروپ کے ممبر بن جائیں، آج سے آپ بھی شکوہ کرنا بند کر دیں اور دوسروں کی خوبیوں اور کامیابیوں پر آٹھ سال کے اس فرنچ بچے کی طرح تالیاں بجانا شروع کر دیں۔ یقین کیجیے آپ اور معاشرے کی تلخیاں کم ہو جائیں گی، ہم بھی انسانی معاشرہ بن جائیں گے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ عزوجل نے فرمایا میں اپنے بندے کے ساتھ وہی معاملہ کرتا ہوں جس کا وہ میرے ساتھ گمان کرتا ہے اور جب وہ مجھے یاد کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں۔ اللہ کی قسم اللہ اپنے بندے کی توبہ پر اس سے زیادہ خوش ہوتا ہے جتنا تم میں سے کوئی اپنی گمشدہ سواری کو جنگل میں پا لینے سے خوش ہوتا ہے۔ اور جو ایک بالشت میرے قریب ہوتا ہے میں ایک ہاتھ اس کے قریب ہوتا ہوں اور جو ایک ہاتھ میرے قریب ہوتا ہے میں دو ہاتھ اس کے قریب ہوتا ہوں اور جو میری طرف چل کر آتا ہے میری رحمت اس کی طرف دوڑ کر آتی ہے۔ (صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 2455)

ریاض علی خٹک

غصہ اور آگ

غصہ آنا ہماری فطرت میں ہوتا ہے۔مسئلہ غصہ آنا نہیں، اسے بے قابو رکھنے میں ہے۔ جب ہم اسے غیر فطری طریقے سے چھپاتے ہیں تو یہ بغض بن جاتا ہے۔جب ہم اسے غیر فطری طریقے سے نکالتے ہیں تو یہ نفرت بن جاتا ہے۔

غصہ کی مینجمنٹ کا طریقہ اس کی توانائی کو درست استعمال کرنا ہے۔انسان بھی دو قسم کی توانائی بناتا ہے۔ایک kinetic یعنی حرکت کی توانائی یا کام کرتی توانائی، دوسری potential یعنی ممکنہ توانائی یا سٹور کی ہوئی توانائی۔

انسان کا آگ کے بغیر بھی گزارہ نہیں اور یہی آگ ہمیں جلا بھی سکتی ہے۔ہم نے صدیوں میں بتدریج اس آگ کی مینجمنٹ سیکھ لی۔آج ہم بجلی، لکڑی، گیس، سولر ہر چیز سے ٹمپریچر لے رہے ہیں۔آگ سے ٹمپریچر تک کے اس سفر میں ہم نے آگ کو ضرورت کے لیے سمیٹنا یعنی فوکسڈ کرنا اور آگ میں اپنے مطلب کی چیز یعنی ٹمپریچر کو سمجھ لیا۔

غصہ بھی ایک آگ ہے۔غصے کی مینجمنٹ آپ کی وہ اپروچ، وہ طریقہ کار ہے جو اسے کڑوی دوائی کی طرح پینا سیکھ لیتی ہے۔اس لیے نہیں کہ آپ بیمار ہیں بلکہ اس لیے کہ آپ کو یہ سمجھ آجاتی ہے کہ اس توانائی کا بہتر استعمال کیا ہے۔آپ غصے کو پی کر اسے potential energy میں سٹور کر لیا کریں۔یہ بغض نہ بنے اس کے لیے افراد کو معاف کرنا سیکھیں۔جب اس غصے کو نکلنے کے لیے کوئی چہرہ نہیں ملے گا تو آپ کے کام میں Kinetic energy بن کر نکلے گا۔جو افراد یہ سیکھ لیتے ہیں ان کے لیے غصہ وہ بوسٹر بن جاتا ہے جو ان کی بساط کی سرحدیں اتنی وسیع کر دیتا ہے کہ ایسے افراد کسی بھی ناممکن کام کو ممکن بنا سکتے ہیں۔

شفقت علی

اعتدال اور تعمیرِ شخصیت

تعمیرِ شخصیت میں اعتدال ایک ایسی خوبی ہے جو انسان کی بقیہ تمام خوبیوں کو نکھارتا ہے۔ معاملات چاہے دینی ہوں یا دنیاوی اسلام ہمیں ہمیشہ اعتدال پر رہنے کی ہدایت کرتا ہے۔ایک اعتدال پسند انسان کو جدید اصطلاح میں متوازن شخصیت(Balanced Personality) کہا جاتا ہے اور بلا شبہ ایک متوازن شخصیت ہی ایک کامیاب شخصیت کا دوسرا نام ہے۔ہمیں اپنی شخصیت کو کیسے اعتدال میں ڈھالنا چاہیے اس کی وضاحت درج ذیل ہے:

1۔ عبادات میں اعتدال

اللہ کی عبادت انسان پر فرض ہے جس سے غفلت کا نتیجہ سوائے بربادی کے کچھ نہیں۔البتہ اسلام ہمیں اس حوالے سے یہ رہنمائی دیتا ہے کہ عبادت میں اعتدال لازم ہے تاکہ انسان ایک طرف خدا کا بندہ بنا رہے تو دوسری طرف خدا کے بندوں سے بھی معاشرتی تعلقات اور دیگر معاملات نبھا سکے۔عبادت میں یہ اعتدال انسان کو رہبانیت جیسی گمراہی سے بچاتا ہے۔

2۔ بولنے میں اعتدال

بولنا ایک اہم انسانی صفت ہے مگر کہاں بولنا ہے، کیا بولنا ہے اور کیسے بولنا ہے یہ سب سے اہم ہے۔گفتگو انسانی شخصیت کا آئینہ ہوتی ہے لہٰذا ہمیں بولنے میں اعتدال برتنا چاہیے۔ مناسب الفاظ کا چناؤ، دھیما لہجہ اور شائستگی بھرا انداز بولنے میں اعتدال کی راہ ہموار کرتا ہے۔

3۔ چلنے میں اعتدال

کہا جاتا ہے کہ چال انسان کے چال چلن کو ظاہر کرتی ہے۔اسی لیے چلنے کی رفتار معتدل ہونی چاہیے۔نہ ایسی سست ہو کہ بندہ بیمار لگے اور نہ اتنی تیز کہ پنڈی ایکسپریس نام پڑ جائے۔

غرور و تکبر سے پاک، عاجزی سے بھرپور مگر پُر وقار چال انسان کی شخصیت کو ایک منفرد حُسن بخشتی ہے۔

4۔ کھانے پینے اور سونے میں اعتدال

کھانے پینے اور سونے میں اعتدال انسان کو بیسیوں امراض سے بچاتا ہے۔ان دونوں کی متعین اور معتدل مقدار ہونا بہت اہم ہے۔کھانے پینے میں بے اعتدالی اگر پیٹ کی بیماریاں پھیلاتی ہے تو نیند کی بے اعتدالی انسان کی ذہنی و جسمانی صحت پر اثر انداز ہوتی ہے۔

5۔ کمانے اور خرچ کرنے میں اعتدال

اسلام میں پیسے کی ہوس سے منع کیا گیا ہے تو مفلسی و قرض سے بچنے کی دعا بھی کی گئی ہے۔پیسہ انسانی ضرورت ہے لہٰذا ضروری ہے کہ جائز طریقوں سے کمایا جائے اور کنجوسی و اسراف سے بچتے ہوئے جائز کاموں میں خرچ کیا جائے کیونکہ یہ دونوں رویے بے اعتدالی پر مبنی ہوتے ہیں۔

6۔ احساسات و جذبات میں اعتدال

انسانی دماغ میں احساسات و جذبات کا جوار بھاٹا ہر لمحہ جاری رہتا ہے۔کبھی انسان خوشی کے جذبات سے مغلوب ہوتا ہے تو کبھی پریشانی کی دلدل میں دھنس جاتا ہے۔لوگوں سے اپنا موازنہ کرتے ہوئے کبھی احساسِ برتری میں مبتلا ہو جاتا ہے تو کبھی احساسِ کمتری کا شکار۔ان تمام احساسات و جذبات کی شدت کو ضبط کرنے کے لیے اسلام ہمیں صبر و شکر کا حکم دیتا ہے جس سے انسان کی طبیعت میں اعتدال پیدا ہوتا ہے۔

یہی معاملہ نظریات سے وابستگی کا ہے کہ ان میں بھی شدت پسندی اور غلو سے بچنا چاہیے۔ تاکہ مزاج میں لچک اور ذہنی وسعت پیدا ہو سکے اور سیکھنے سکھانے کا عمل جاری رہ سکے۔

طاہر محمود

وقت پر قدر کرنا سیکھیے

آپ کو کتنے ہی ایسے انسان ملیں گے جو اپنی والدہ کی زندگی میں ان کی قدر نہ کر سکے اور اب ان کے جانے کے بعد ان کے لیے آہیں بھرتے ہیں۔تمنا کرتے ہیں کہ کاش وہ لوٹ آئیں اور ہم اپنی جان بھی لٹا کر ان کی خدمت کریں اور کوئی حسرت باقی نہ رہنے دیں۔مگر افسوس......اب یہ ناممکن ہے۔لیکن اگر آپ کی والدہ زندہ ہیں تو آپ کے لیے بالکل ممکن ہے۔فوراً جائیں، ان کے ہاتھ پاؤں چومیں اور ان کی ہر لحاظ سے قدر اور خدمت کریں۔اس سے قبل کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے چلی جائیں۔

آپ کئی نوجوانوں کو والد کی قبر پر پھوٹ پھوٹ کر روتے دیکھیں گے۔وہ والد کی حیات میں انہیں وقت ہی نہ دے پائے۔یہ سمجھتے رہے کہ یہ تو ابھی ہمارے پاس ہی ہیں۔تھوڑا جوانی کا لطف لے لیں اور یاروں دوستوں کو خوش کر لیں تو پھر ان کی خدمت کر کے جنت بھی کما لیں گے۔ لیکن ایک دن......اچانک......والد صاحب چپ چاپ...... ہمیشہ کے لیے رخصت ہو گئے اور یہ محض مٹی کے ڈھیر کو آنسوؤں سے گیلا کر کے دل کو تسلی دیے پھرتے ہیں۔اگر آپ کے والد محترم زندہ ہیں تو جلدی سے انہیں کال ملائیں، پاس چلے جائیں، گپ شپ کریں، پیار محبت کی باتیں کریں، ان کے دست و بازو بنیں اور کل کے لیے کوئی حسرت باقی نہ رہنے دیں۔

آپ کو ایسے کئی والدین ملیں گے کہ جن کا بس چلے تو ساری دنیا بھی دے کر اپنے فوت شدہ بیٹے یا بیٹی کو واپس پانا چاہیں گے۔وہ ہر وقت اس کی یاد میں جیتے ہیں۔ان کی زندگی ہر قسم کی رنگینیوں سے محروم ہو چکی ہے۔وہ زندگی جی نہیں رہے بلکہ محض اسے گھسیٹ رہے ہیں۔ان کے سب زندہ بچے مل کر بھی اس ایک فوت شدہ بچے کی کمی ایک فیصد بھی پوری نہیں کر پا رہے۔لیکن

افسوس جب تک وہ بچہ زندہ تھا تو انہوں نے اس کے حق میں متعدد کوتاہیاں کیں جن کا آج انہیں بے حد پچھتاوا ہے اور رہ رہ کر انہیں جلاتا رہتا ہے۔ اگر آپ کے بچے ہیں اور خیریت سے ہیں تو خدارا ان کی قدر کیجیے۔ ان کو بہترین تعلیم وتربیت اور بھرپور وقت دیجیے۔ ان کو بھرپور بچپن جینے دیجیے۔

کچھ دن قبل میں نے ایک نوجوان کو دیکھا جس کی کینسر زدہ ٹانگ کاٹ دی گئی تھی اور وہ بلک بلک کر رو رہا تھا۔ اسی طرح آپ کو کتنے ہی ایسے لوگ ملیں گے جو مختلف حادثات اور بیماریوں میں اپنے بازو، آنکھیں یا زبان وغیرہ کھو چکے ہیں۔ یا ہمیشہ کے لیے معذور ہو کر بستر پر پڑے ہوئے ہیں۔ آج وہ ہلنے سے بھی قاصر ہیں۔ اپنا سب کچھ لگا کر بھی دوبارہ ٹھیک ٹھاک ہونا چاہتے ہیں مگر یہ سب اب ناممکن ہے۔ اگر آپ ماشاءاللہ ٹھیک ٹھاک ہیں اور کسی بڑی بیماری سے بچے ہوئے ہیں تو خدارا اس صحت کی قدر کیجیے اور اسے مفید سرگرمیوں میں لگا دیجیے۔

کتنے ہی ایسے لوگ منوں مٹی تلے جا چکے ہیں جو کبھی سمجھتے تھے کہ ان کے بغیر یہ دنیا چل ہی نہیں سکتی۔ اگر ان کا بس چلے تو پوری کائنات بھی فدیہ میں دے کر چند لمحوں کی زندگی خرید لیں۔ ان کی بے شمار حسرتیں اور پچھتاوے ہیں مگر افسوس اب یہ حسرتیں کبھی پوری نہیں ہو سکتیں۔ لیکن آپ بہت خوش قسمت ہیں کہ آپ کو ابھی بھی یہ قیمتی لمحات ملے ہوئے ہیں۔ لہٰذا ان کی قدر کیجیے اور انہیں ایسے مفید کاموں میں خرچ کیجیے کہ کل قیامت کے دن کوئی حسرت یا پچھتاوا نہ ہو۔

اسی طرح اللہ کی ان باقی نعمتوں مثلاً دولت، سکون، گھر بار، خاندان اور عزت وغیرہ کے متعلق بھی غور وفکر کیجیے جو آپ کو حاصل ہیں اور بہت سارے لوگ ان سے محروم ہیں۔ ہر نعمت کی اس کے کھو جانے سے پہلے ہی قدر کریں اور ایسی زندگی جئیں کہ کل کے لیے کوئی حسرت یا پچھتاوا باقی نہ رہے۔

ابو یحییٰ

مضامین قرآن (63)

حقوق العباد: رشتہ داروں سے حسن سلوک

ماں باپ کے بعد انسان کا سب سے مضبوط تعلق قرابت داروں کے ساتھ ہوتا ہے۔ زمانہ قدیم میں جب لوگ قبیلوں اور برادریوں کی شکل میں رہتے تھے تو پورا قبیلہ اور برادری ہی دور اور قریب کے رشتہ داروں پر مشتمل ہوا کرتی تھی۔ تاہم قرابت کا اصل اطلاق ماں باپ کے تعلق سے وجود میں آنے والے رشتوں پر ہوتا ہے اور اسی مناسبت سے یہ رحمی رشتے کہلاتے ہیں۔ ان کا قریبی دائرہ بھائی بہن، ان کی اولادوں، والدین کے بھائی بہن، پھر ان کی اولادوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ شادی کے بعد سسرال کا تعلق بھی اسی دائرے میں شامل ہو جاتا ہے۔ یہی وہ دائرہ ہے جس میں ہمارے اصل رشتے پائے جاتے ہیں۔ یہی وہ دائرہ ہے جہاں ہماری زندگی، تعلقات اور محبتوں کا اہم ترین حصہ موجود ہوتا ہے۔ اس دائرے میں محبت اور لحاظ کو باقی رکھنے کے لیے قرآن مجید نے بہت تاکید کی ہے اور کئی پہلوؤں سے وہ ہدایات دی ہیں جن کی پیروی اس دائرے میں محبت کی فضا قائم رکھتی ہے۔

ان ہدایات کی وجہ یہ ہے کہ جن لوگوں کے ساتھ انسان جیتا بستا ہے ان میں سب سے اہم رشتہ دار ہیں۔ یہ خدا کی طرف سے طے کردہ وہ تعلق ہے جو انسان اپنی مرضی سے نہیں بدل سکتا۔ بھائی، بہن، چچا، تایا، پھوپھی، ماموں اور خالہ وغیرہ جیسے رشتے ہمارا نہیں خدا کا انتخاب ہوتے ہیں۔ ان سے تعلق دوست احباب سے تعلق کی طرح نہیں ہوتا جو ذوق، ضرورت، مفاد اور حالات بدلنے پر ٹوٹ جایا کرتا ہے۔ یہ رشتے زندگی سے موت تک اور گود سے گور تک ہمارے

ساتھ چلتے ہیں۔زندگی کے ہر دور میں یہ لوگ ہماری ہر خوشی غمی میں شریک ہوتے ہیں۔ ہر دکھ درد میں ساتھ ہوتے ہیں۔

لیکن انسان مختلف مزاجوں کے ہوتے ہیں۔ان کے حالات بھی مختلف ہوتے ہیں۔ پھر ان سے ہر وقت کا ملنا جُلنا بھی ہوتا ہے۔اس سے بھی اختلافات جنم لیتے ہیں۔بعض اوقات مفادات کا ٹکراؤ بھی پیدا ہو جاتا ہے۔انسان اگر صحیح جگہ پر نہ کھڑا ہو تو گلے شکوے سے بات شروع ہوتی ہے، دل شکنی تک پہنچتی ہے اور پھر تعلقات کی باریک ڈور کسی روز اس طرح ٹوٹ جاتی ہے کہ لوگ ایک دوسرے کی شکل دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتے۔یہی وہ پس منظر ہے جس میں قرآن مجید نے اپنی رہنمائی سے رشتوں کی اس باریک ڈور کو مضبوط کیا ہے۔

رشتہ داروں کے حوالے سے قرآن مجید کی رہنمائی

قرآن مجید نے قرابت داری کے تعلق کو مضبوط کرنے کے لیے چار پہلوؤں سے ہدایات دی ہیں۔ایک پہلو یہ ہے کہ انسان اپنے مال کو اپنے رشتہ داروں پر خرچ کرے اور ایک حق سمجھ کر اپنا مال انھیں دے۔انسانی نفسیات ہے کہ انسان اپنے مال پر صرف اپنا یا اپنے بیوی بچوں کا حق سمجھتا ہے۔مگر کوئی انسان اگر اس سطح سے اوپر اٹھ کر اس مال پر رشتہ داروں کا حق بھی اسی طرح سمجھے جس طرح وہ اپنے بیوی بچوں کا سمجھتا ہے تو یہ ایک بہت اعلیٰ اخلاقی وصف ہے جو دلوں کو جوڑنے اور باہمی محبت بڑھانے میں بنیادی کردار ادا کرتا ہے۔جب کسی پر مال خرچ کیا جاتا ہے تو اس کے دل میں ہمارے لیے جگہ پیدا ہوتی ہے۔یہ انفاق ایک علامتی اظہار بن جاتا ہے کہ ہم کسی شخص کو کتنی اہمیت دیتے ہیں۔ ہمارا انفاق یوں تو ہر شخص کو ہمارا گرویدہ بناتا ہے، مگر جب یہ قرابت داروں پر کیا جاتا ہے تو یہ پہلے سے موجود رشتے میں مزید گرمجوشی پیدا کر دیتا ہے۔ جب کسی مشکل میں اپنے کسی عزیز کی مدد کی جاتی ہے، اسے تحفہ دیا جاتا ہے، اسے مالی سہارا دیا جاتا

ہے تو یہ چیز انسان کو اس کی نگاہ میں بہت محبوب بنا دیتی ہے۔ یہ انفاق زبان و رویے کی دس کمزوریوں کی تلافی کر دیتا ہے۔ یہ حسن ظن پیدا کرتا ہے۔ یہ شکر گزاری اور احسان مندی پیدا کرتا ہے۔ یہ ساری چیزیں تعلقات کی ڈور کو مضبوط سے مضبوط تر بناتی ہیں اور زندگی ان رشتوں کی محبت سے اپنا حسن و کمال پا لیتی ہے۔

قرآنی ہدایات کا دوسرا پہلو قرابت داروں سے حسن سلوک کی تلقین ہے۔ یہ اپنے رویے، طرز عمل اور گفتگو میں خوبی، نرمی، محبت اور ہمدردی کا نام ہے۔ انسان مال خرچ نہ کر سکے لیکن اپنی زبان کو میٹھا رکھے، اپنے رویے کو شائستہ رکھے، دوسروں کو عزت و وقار دے، ان سے احترام سے پیش آئے؛ یہ سب چیزیں انسان کے دل میں بڑی جگہ پیدا کرتی ہیں۔ خاص کر رشتہ دار جو بغیر کسی مفاد کے صرف قرابت کی بنیاد پر جڑے ہوں، ان کے ساتھ حسن سلوک ان کے دل کو ہمیشہ نرم رکھتا ہے۔ یہ سب کچھ کرنے میں انسان کا کچھ نہیں جاتا، صرف احساس زندہ ہونا چاہیے مگر اس کے نتائج بہت اچھے نکلتے ہیں۔ اسی لیے قرآن مجید نے حسن سلوک پر بہت زور دیا ہے۔

رشتہ داروں کے حوالے سے قرآنی ہدایات کا تیسرا پہلو صلہ رحمی کے حکم پر مبنی ہے۔ بعض اوقات ذوق اور مزاج کے اختلاف اور حالات اور مصروفیات کی بنا پر طبیعت رشتہ داروں سے ملنے پر آمادہ نہیں ہوتی۔ تب بھی صرف رشتہ داری کی بنیاد پر ان کا حق ہوتا ہے کہ ان کے ساتھ ملا جائے۔ ان کی خوشی غمی میں شریک ہوا جائے۔ ان کے ساتھ تعلق کی ڈور کو اجنبیت کی قینچی سے کاٹنے اور وقت کی گرد میں بوسیدہ کرنے کے بجائے اسے برقرار رکھا جائے۔ یہ صلہ رحمی ہے۔

چوتھی اور آخری ہدایت یہ ہے کہ قطع رحمی سے بچا جائے۔ یہ صلہ رحمی کا متضاد ہے۔ عام طور پر رشتہ دار ایک دوسرے سے ملتے رہتے ہیں۔ مگر انسانوں کا مزاج برتنوں کی طرح ہوتا ہے۔ ساتھ رہتے ہیں تو باہمی ٹکراؤ ہو ہی جاتا ہے اور آوازیں آنے لگتی ہیں۔ اختلاف ہو جاتے ہیں۔

شکایات پیدا ہو جاتی ہیں۔ بات لڑائی جھگڑے تک جا پہنچتی ہے اور آخر کار نوبت دشمنی کی آ جاتی ہے۔ دشمنوں سے کون ملتا ہے؟ اس لیے تعلق ٹوٹ جاتا ہے۔ مگر دین کا حکم ہے کہ یہ تعلق ٹوٹنے نہ پائے۔ ایسے میں اس تعلق کو باقی رکھنا محسنین کا کام ہوتا ہے۔ احسان کا یہ رنگ جب انبیا کی زندگیوں میں ظاہر ہوتا ہے تو یوسف کریم ابن کریم ابن کریم کنویں میں پھینکنے والے بھائیوں کو معاف کر کے انھیں عزت و مقام دیتے ہیں۔ رحمت للعالمین کی ہستی قریش کے ہر ظلم و ستم کو معاف کر کے انھیں عزت و وقار عطا کر دیتی ہے۔ احسان کا یہ رنگ جب صدیقین کی زندگیوں میں ظاہر ہوتا ہے تو صدیق اکبر اپنی عزیز بیٹی پر بہتان لگانے جیسے سنگین عمل میں شریک صاحب کو معاف کر کے ان کی مدد اور احسان کا سلسلہ جاری رکھتے ہیں کہ یہی فرمان رب ہے۔ یہ وہ تعلیم ہے جو ایک بندہ مومن کو قطع تعلق سے روکتی ہے اور بدترین حالات میں بھی رشتہ داروں سے تعلق قائم رکھنے، ان کے ساتھ حسن سلوک کرنے اور ان پر خرچ کرنے کا حوصلہ دیتی ہے۔ یوں یک طرفہ صبر، احسان اور درگزر نفرت کے اس زہر کا اثر زائل کر دیتا ہے جو شیطان نے اس تعلق میں گھول کر قطع رحمی کی راہ ہموار کرنی چاہی تھی۔

قرآنی بیانات

”اور یاد کرو، جب ہم نے تم سے عہد لیا کہ آپس میں خون نہ بہاؤ گے اور اپنے لوگوں کو اپنی بستیوں سے نہ نکالو گے۔ پھر تم نے اقرار کیا اور تم اُس کے گواہ ہو۔“، (البقرہ 84:2)

”اور مال کی محبت کے باوجود اُسے قرابت مندوں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں اور مانگنے والوں پر اور لوگوں کی گردنیں چھڑانے میں خرچ کریں“، (البقرہ 177:2)

”اور اللہ نے جس چیز (یعنی رشتۂ قرابت) کے جوڑنے کا حکم دیا ہے، اُسے کاٹتے ہیں“، (البقرہ 27:2)

”لیکن تقسیم کے موقع پر جب قریبی اعزہ اور یتیم اور مسکین وہاں آ جائیں تو اُس میں سے اُن کو بھی کچھ دے دو اور اُن سے بھلائی کی بات کرو۔“، (النساء 8:4)

’’والدین کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو اور قرابت مندوں، یتیموں، مسکینوں اور رشتہ دار پڑوسیوں اور اجنبی پڑوسیوں اور ہم نشینوں کے ساتھ بھی حسن سلوک سے پیش آ ؤ۔‘‘، (النساء4 :36)

’’بے شک، اللہ تعالیٰ عدل اور احسان اور قرابت مندوں کو دیتے رہنے کی ہدایت کرتا ہے‘‘، (النحل16 :90)

’’تم قرابت دار کو اُس کا حق دو اور مسکین اور مسافر کو بھی، اور مال کو بے جا نہ اڑاؤ۔‘‘، (الاسراء26:17)

تم میں سے جو لوگ صاحب فضل ہیں اور جن کو وسعت عطا ہوئی ہے، وہ (اِس معاملے میں کسی کو ملوث دیکھ کر) اِس بات کی قسم نہ کھا بیٹھیں کہ اب وہ قرابت مندوں اور مسکینوں اور خدا کی راہ میں ہجرت کرنے والوں پر خرچ نہ کریں گے۔ (نہیں، بلکہ) اُن کو چاہیے کہ بخش دیں اور درگذر سے کام لیں۔‘‘، (النور22:24)

’’اور جو اُس چیز (یعنی رشتۂ قرابت) کو جوڑتے ہیں جسے اللہ نے جوڑے رکھنے کا حکم دیا ہے‘‘، (الرعد21:13)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تعالی سات قسم کے آدمیوں کو اپنے سایہ میں لے گا جس دن کہ اس کے سایہ کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا، امام عادل اور وہ جوان جس نے اپنی جوانی اللہ کی راہ میں صرف کی ہو اور وہ مرد جس نے اللہ کو تنہائی میں یاد کیا اور اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، اور وہ آدمی جس کا دل مسجد میں اٹکا ہوا ہے اور وہ دو آدمی جو آپس میں خدا کے لیے محبت کریں اور وہ جسے کوئی منصب والی عورت اپنی طرف بلائے اور وہ کہے کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں اور وہ جو پوشیدگی سے اس طرح صدقہ کرے کہ بائیں ہاتھ کو خبر نہ ہو کہ دائیں ہاتھ نے کیا دیا۔ (صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 1711)

مبشر نذیر

ترکی کا سفرنامہ (67)

قسطنطنیہ

ازمت کے پاس پہنچ کر ہم مرمرہ ریجن سے نکل آئے۔ خلیج ازمت کے گرد چکر کاٹ کر ہم اس کی دوسری جانب پہنچے۔ موٹروے پر پہنچ کر ہم نے اپنا رخ استنبول کی جانب کر لیا۔ تھوڑی دیر ہی میں ہم استنبول شہر کے مضافات میں داخل ہو گئے۔ یہ ایک صنعتی علاقہ تھا۔ پہاڑوں کے بیچ میں وادیوں کے درمیان مختلف فیکٹریاں نظر آ رہی تھیں۔ استنبول شہر ابھی پچاس کلومیٹر دور تھا مگر اس کے مضافات یہیں سے شروع ہو رہے تھے۔

استنبول ایک قدیم شہر ہے۔ اس شہر کو 1600 سال تک دنیا کی دو سپر پاورز کا دارالحکومت رہنے کا اعزاز حاصل رہا ہے۔ استنبول کی تاریخ کے آثار 6500 قبل مسیح تک دریافت ہو چکے ہیں۔ جب اس شہر کو یونانیوں نے اپنی سلطنت میں شامل کیا تو اس کا نام ''بازنطین'' رکھا۔ 100 قبل مسیح کے لگ بھگ یہ شہر رومی سلطنت کا حصہ بنا۔ رومی شہنشاہ قسطنطین یا کانسٹنٹائن جب یہاں سے گزرا تو اسے یہ جگہ بہت پسند آئی۔ اس نے اس شہر کو 330ء میں اپنا دارالحکومت بنا لیا۔ اس نے شہر کا نام کانسٹنٹائنوپل رکھا جو عربی میں قسطنطینیہ اور فارسی و اردو میں قسطنطنیہ بن گیا۔ اس کے بعد تقریباً 1100 سال یہ شہر رومی سلطنت کا دارالحکومت رہا۔ جب 1453ء میں اسے سلطان محمد فاتح نے فتح کیا تو یہ مسلمانوں کی عثمانی سلطنت کا دارالحکومت قرار پایا۔ اس کی یہ حیثیت 1923ء تک برقرار رہی۔ اب استنبول جدید ترکی کا دارالحکومت تو نہیں ہے مگر اس کا اہم ترین شہر ہے۔

شہر میں داخل ہونے کے بعد اچانک پھولوں سے لدی ہوئی دیواریں ہمارے سامنے آ گئیں۔ سڑک کے دونوں جانب پہاڑی چٹانوں پر اس طریقے سے پھول اگائے گئے تھے کہ یہ ایک تختے کی طرح انہیں ڈھانکے ہوئے تھے۔ اردگرد کے پہاڑوں پر خوشنما سرخ چھتوں والے

مکان سبز بیک گراؤنڈ میں دلفریب منظر پیش کررہے تھے۔ یہاں پہاڑوں پر بھی دس پندرہ منزلہ عمارتیں عام تھیں۔

جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ استنبول شہر بیک وقت ایشیا اور یورپ میں واقع ہے۔ نقشے پر دیکھیے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کسی پلاس کے جبڑوں کی طرح ایشیا اور یورپ کا ایک ایک کونہ نکل کر ایک دوسرے کے مقابل آ کر رک گیا ہو۔ درمیان میں آبنائے باسفورس ہے۔ یہ تنگ سی سمندری پٹی جو کہ ایک عظیم الشان دریا کا منظر پیش کرتی ہے، بحیرہ مرمرہ اور بحیرہ اسود کو آپس میں ملاتی ہے۔ یورپی حصے میں باسفورس سے ایک شاخ نکل کر دور تک خشکی کے اندر چلی جاتی ہے۔ یہ ''شاخ زریں'' یا ''گولڈن ہارن'' کہلاتی ہے۔ باسفورس اور گولڈن ہارن کے درمیان کا علاقہ ''غلطہ'' کہلاتا ہے۔اس خطے کے حسن کا نظارہ تارڑ صاحب کے الفاظ میں سنیے:

''میرے سامنے گنبدوں اور میناروں کا ایک شہر سمندر سے اٹھا۔ یہ شہر ماضی بعید میں بازنطینیوں کا بازنطائن۔ ماضی میں کانسطنطائن کا قسطنطنیہ اور حال میں عثمانی ترکوں کا استنبول کہلایا۔ ایک شہر تین عہد، تین روپ اور تین ہی حصے۔ ایک حصہ ایشیا میں جہاں سے ہم آ رہے تھے۔ دوسرا یورپ میں اسلامبول اور تیسرا الغلطہ جسے شاخ زریں اسلامبول سے جدا کرتی ہے۔ ایک ہی شہر۔ ہمارے گرد آبنائے باسفورس میں ہلچل مچی ہوئی تھی۔ ایشیا اور یورپ کے درمیان درجنوں مسافر بردار کشتیاں رواں دواں۔ سامان سے لدے ہوئے بیڑے، مچھیروں کی لاتعداد کشتیاں۔ دنیا کے ہر کونے سے آئے ہوئے تجارتی جہاز اور پھر ہارن اور بھونپوؤں کی متواتر آوازیں۔ دنیا بھر میں کسی بھی شہر نے اپنے گرد پھیلے ہوئے سمندر کو اتنی خوبصورتی نہیں بخشی جو باسفورس کے حصے میں آئی ہے۔ وینس کی خوبصورتی کا انحصار ہی سمندر پر ہے مگر استنبول میں سمندر شاخ زریں کا کشکول ہاتھ میں لیے شہر سے حسن کی بھیک مانگ رہا ہے۔ میری نظروں کے سامنے اس حسین شہر کے طلسمی افقی خطوط ابھر رہے تھے۔ آیا صوفیہ کا عظیم الجثہ گنبد۔ نیلی مسجد کے چھ نازک اندام اور باریک مینار۔ ترک سلطانوں کا محل سرا۔ شاخ زریں پر پل الغلطہ اور اس گھنے

جنگل میں سینکڑوں لامبے اور پتلے مینار ہرسو بکھرے ہوئے جیسے نیلے آسمان کے سینے میں تیز چمکتے ہوئے برچھے گڑے ہوں۔ میرے لیے استنبول کی پہلی جھلک جوانی کے فریبوں اور پہلی محبت کے احساسات سے زیادہ حسین اور ہیجان خیز ثابت ہوئی تھی۔''

ہم لوگ بھی استنبول کے فطری حسن اور صفائی سے کافی متاثر تھے مگر تارڑ صاحب کی نسبت ذرا کم۔ تھوڑی دیر میں ہم باسفورس کے پل پر جا پہنچے۔ یہ بغیر ستونوں کے ایک عظیم پل تھا جس کے دونوں طرف ٹاور تعمیر کر کے ان سے لوہے کے رسے لٹکائے گئے تھے۔ ان کے درمیان پل لٹک رہا تھا۔ آج آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے جن کی وجہ سے نیلے باسفورس کا رنگ سرمئی لگ رہا تھا۔

دفاتر سے چھٹی کا وقت ہوا تھا جس کی وجہ سے دور دور تک ٹریفک بلاک تھی۔ اس میں استثنا استنبول کی ''میٹرو'' کا تھا۔ یہ وہی ڈبل بسیں تھیں جو ہم نے برسا میں بھی دیکھی تھیں۔ کھلی سڑک کے بیچوں بیچ دو لینز ان کے لیے مخصوص کر دی گئی تھیں۔ یہیں پر ان کے اسٹاپ بنے ہوئے تھے۔ یہ تیز رفتاری سے ٹریفک میں پھنسی ہوئی گاڑیوں کے ڈرائیوروں کے سینے پر مونگ دلتی ہوئی چل رہی تھیں۔ تمام بسیں کھچا کھچ بھری ہوئی تھیں۔ ان کے ہاں خواتین کے علیحدہ کمپارٹمنٹ کا رواج نہ تھا۔ ہم نے شکر کیا کہ ہم جدہ میں رہتے ہیں جہاں ابھی تک ٹریفک بلاک ہونے کا مسئلہ شدت اختیار نہیں کر سکا۔

چونکہ اب ہم سفر سے تنگ آ چکے تھے اس لیے مناسب یہی محسوس ہوا کہ پہلے اپنی واپسی کی سیٹیں پہلے کی تاریخ میں کروا لیں۔ ڈیڑھ کروڑ کی آبادی کے اس شہر میں سعودی ائر لائن کا دفتر کون ڈھونڈتا۔ اس لیے ہم نے ائر پورٹ کا رخ کیا۔ یہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ سعودی عرب کی تمام فلائٹیں جا چکی ہیں اس لیے دفتر اب بند ہے۔ اب رات گزارنے کے لیے ہوٹل ڈھونڈنے کا مرحلہ تھا جو کہ بڑے شہر میں کچھ ایسا تھا جیسے بھوسے کے ڈھیر میں سوئی تلاش کی جائے۔ ایک عربی بولنے والے صاحب نے بتایا کہ آپ ''توپ کاپی'' چلے جائیے۔ وہاں ہر طرف ہوٹل ہی ہوٹل ہیں۔

[جاری ہے]

پروین سلطانہ حناؔ

غزل

دکھ کی اپنی زبان ہوتی ہے
آنسوؤں سے بیان ہوتی ہے
رنجشیں بے سبب نہیں ہوتیں
بات کچھ درمیان ہوتی ہے
مُنہ سے ہر لفظ سوچ کر کہنا
تیر میں خود کمان ہوتی ہے
دل دُکھاتے وہی ہیں لوگوں کا
جن کی لمبی زبان ہوتی ہے
جنگ کرتا ہے جو ہواؤں سے
اُس دیے میں ہی جان ہوتی ہے
کسی چھاؤں کو ہم سفر رکھنا
زیست بے سائبان ہوتی ہے
شَجرِ سایہ دار وہ ہیں حناؔ
جن کی ہستی امان ہوتی ہے

ابو یحییٰ کے ناول

جو آپ کی سوچ، زندگی اور عمل کا محور بدل دیں گے

جب زندگی شروع ہوگی

ایک تحریر جو ہدایت کی عالمی تحریک بن چکی ہے

قسم اس وقت کی

ایک منکرِ خدا لڑکی کی داستان سفر، جو سچ کی تلاش میں نکلی تھی

آخری جنگ

شیطان کے خلاف انسان کا اعلان جنگ

خدا بول رہا ہے

عظمتِ قرآن کا بیان ایک دلچسپ داستان کی شکل میں

پورا سیٹ منگوانے پر خصوصی رعایت

گھر بیٹھے کتب حاصل کرنے کے لیے ان نمبرز پر رابطہ کیجیے

0332-3051201 , 0345-8206011

Please visit this link to read the articles and books of Abu Yahya online for free.

www.inzaar.org

To get Abu Yahya Quotes Join us on twitter:

Twitter ID: @AbuYahya_inzaar

To read Abu Yahya articles regularly Join us on Facebook

Abu Yahya Page: www.facebook.com/abuyahya.inzaar

Abu Yahya Account: www.facebook.com/abuyahya.jzsh

Join us on Youtube

Search inzaar on YouTube to see our audios and lectures

To get monthly books, CDs/USB and Inzaar's monthly magazines at home anywhere in Paksitan, contact # 0332-3051201 or 0345-8206011

To participate in online courses, visit

www.inzaar.org/online-courses/

To get any other information, email to globalinzaar1@gmail.com

Following material in audio form is available on USB/CD:

Quran Course by Abu Yahya

Quran Translation and Summary by Abu Yahya

Islahi Articles

Jab Zindagi Shuru Hogi (book)

Qasam Us Waqt Ki (book)

Aakhri Jang (book)

فون: 0332-3051201, 0345-8206011
ای میل: globalinzaar@gmail.com
web: www.inzaar.org

ماہنامہ

اِنذار

ایک دعوتی واصلاحی رسالہ ہے۔اس کا مقصد لوگوں میں ایمان واخلاق کی دعوت کو عام کرنا ہے۔ اس دعوت کو دوسروں تک پھیلانے میں ہمارا ساتھ دیجئے۔ یہ رسالہ خود بھی پڑھیے اور دوسروں کو بھی پڑھوایئے۔اپنے کسی عزیز، دوست، ساتھی یا رشتہ دار کے نام سال بھر رسالہ جاری کروانے کیلئے:

کراچی کے لیے 500، بیرون کراچی کے لیے 400 روپے کا منی آرڈر ہمارے پتے پر ارسال کیجئے......یا
ایک پے آرڈر/بینک ڈرافٹ بنام ''ماہنامہ انذار'' بینک الفلاح المحدود (صدر برانچ)
اکاؤنٹ نمبر 0171-1003-729378 کے نام بھجوایئے
رسالہ آپ کو گھر بیٹھے ملتا رہے گا

اگر آپ ہماری دعوت سے متفق ہیں تو ہمارے ساتھ تعاون کر سکتے ہیں، اس طرح کہ آپ:

1) ہمارے لیے دعا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ ہماری رہنمائی فرمائے
2) 'ماہنامہ انذار' کو پڑھیے اور دوسروں کو پڑھوایئے
3) تعمیرِ ملت کے اس کام کو دوسروں تک پہنچانے کے لیے رسالے کی ایجنسی لیجیے

ایجنسی لینے کا طریقہ کار:

ایجنسی کے لیے ہر ماہ کم از کم پانچ رسالے لینا ضروری ہے
ایجنسی کا ڈسکاؤنٹ 20 فیصد ہے
ایجنسی لینے کے لیے اوپر دیئے گئے پتے پر رابطہ کیا جا سکتا ہے

ابو یحییٰ کا نیا چوتھا ناول شائع ہو گیا ہے

''خدا بول رہا ہے''

عظمتِ قرآن کا بیان ایک دلچسپ داستان کی شکل میں

''جس طرح کسی انسان کو اپنی کوئی اولاد بری نہیں لگتی البتہ بعض بچے دوسروں سے زیادہ پیارے ہوتے ہیں، اسی طرح ایک مصنف کو اپنی بعض تصنیفات زیادہ عزیز ہوتی ہیں۔ یہ قاعدہ اگر ٹھیک ہے تو ''خدا بول رہا ہے'' کی صورت میں اس دفعہ قارئین کی خدمت میں ایک ایسا ناول پیش ہے جس کے متعلق اس خاکسار کا خیال ہے کہ یہ اپنے پیغام کے لحاظ سے بہت موثر اور کہانی کے اعتبار سے بہت دلچسپ ہے۔ یہ اس مصنف ہی کا نہیں بلکہ ان تمام لوگوں کا بھی خیال ہے جن کی خدمت میں اسے ابتدائی فیڈ بیک یا اسکریننگ کے لیے پیش کیا گیا تھا۔ اس لیے امید ہے کہ قارئین اس ناول کو پچھلے ناولوں سے زیادہ مفید اور دلچسپ پائیں گے۔''

ابو یحییٰ

قیمت 350 روپے

رسالے کے قارئین رعایت کے ساتھ گھر بیٹھے حاصل کرنے کے لیے رابطہ کریں:

رابطہ: 0332-3051201, 0345-8206011

ای میل: globalinzaar@gmail.com

web: www.inzaar.pk

Monthly
INZAAR

AUG 2019
Vol. 07, No. 08
Regd. No. MC-1380

Publisher: Rehan Ahmed Printers: The Sami Sons Printers,
25-Ibrahim Mansion, Mill Street, Pakistan Chowk, Karachi

ابویحییٰ کی دیگر کتابیں

"ملاقات"

اہم علمی، اصلاحی اجتماعی معاملات پر ابویحییٰ کی ایک نئی فکر انگیز کتاب

"جب زندگی شروع ہوگی"

ایک تحریر جو ہدایت کی عالمی تحریک بن چکی ہے

"قسم اُس وقت کی"

ابویحییٰ کی شہرہ آفاق کتاب "جب زندگی شروع ہوگی" کا دوسرا حصہ

"When Life Begins"

English Translation of Abu Yahya Famous book

Jab ZindagiShuruHo Gee
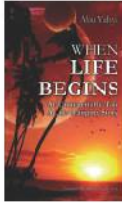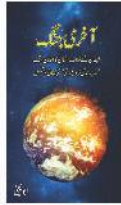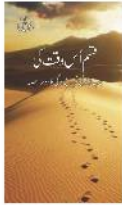
"کھول آنکھ زمیں دیکھ"

مغرب اور مشرق کے سات اہم ممالک کا سفرنامہ

"بس یہی دل"

دل کو چھو لینے والے مضامین ذہن کو روشن کر دینے والی تحریریں

"تیسری روشنی"

نفرت اور تعصب کے اندھیروں کے خلاف روشنی کا جہاد

"حدیث دل"

موثر انداز میں لکھے گئے علمی، فکری اور تذکیری مضامین کا مجموعہ

"قرآن کا مطلوب انسان"

قرآن کے الفاظ اور احادیث کی روشنی میں جانیے اللہ ہم سے کیا چاہتے ہیں